انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء



پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

اِنسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء

قرآن اور جدید سائنسی تحقیقات کا تقابلی مطالعہ

—:☆:—

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور
مرکزی سیکرٹریٹ ۳۶۵ رایم ماڈل ٹاؤن
فون: ۳-۵۱۶۹۱۱۱

نام کتاب	انسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء
تصنیف	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
پروف ریڈنگ	حافظ محمد بنیامین
کمپوزنگ	غلام نبی قادری، محمد یامین
اشاعت اول	
اشاعت دوم	مئی ۱۹۹۲ء (۴ ہزار)
اشاعت سوم	جولائی ۱۹۹۷ء (گیارہ سو)
اشاعت چہارم	مئی ۱۹۹۸ء (گیارہ سو)
اشاعت پنجم	دسمبر ۱۹۹۹ء (گیارہ سو)
مطبع	منہاج القرآن پرنٹرز
قیمت	Rs 60

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی تمام تصانیف اور خطبات وتقاریر کے ریکارڈ شدہ کیسٹوں سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی ان کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریک منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

ڈائریکٹر پریس اینڈ پبلیکیشنز

ISBN 969-32-0034-9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبرایس او (پی ۔۱) ۴۔۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴' گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷۔۴۔۲۰ ای جنرل وایم ۴/۹۷۰ ۔ ۳۔ ۷ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء' شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر۲۴۴۱۱۔۶۷ این۔۱/اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبرس ت / انتظامیہ / ۶۳۔۸۰۶۱۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسرڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

سرِ آغاز

کائنات کی ہر شئے میں نظام حرکت و تغیر کار فرما ہے جس کے تحت ہر چیز ارتقائی سفر طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ کاروانِ وجود میں ٹھہراؤ اور انجماد ہرگز نہیں بلکہ یہ لحظہ بہ لحظہ تازہ شان کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی علوم و افکار بھی اس قدرتی نظام کے زیر اثر پیہم تغیر پذیر رہے ہیں۔ اس دو ٹوک اصول کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس امر کی خود بخود تصدیق ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی (ﷺ) کو ہر دور میں اس علوم و افکار کی یلغار کا مقابلہ کرنا پڑا۔ قرآنی علوم کی عظمت و شوکت برقرار رکھنے اور اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ چونکہ خود رب کائنات نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اس لئے اس ذات حکیم و علیم نے ہر دور میں حاملین دین میں سے ایسی نابغۂ روزگار شخصیات پیدا کیں جنہوں نے اس چیلنج کو اپنا مذہبی، دینی اور ملی فریضہ سمجھتے ہوئے قبول کیا۔ ہر دور میں نامور مسلمان علماء و مفکرین نے رائج الوقت علمی و فکری رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن و سنت پر مبنی تعلیمات کی مطلوبہ تشریحات پیش کیں۔ یہ حقیقت ایک طرف قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی عظمت، ان کی تعلیمات میں وسعت و ہمہ گیریت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور دوسری طرف ان شارحین کی ناقابل فراموش دینی خدمات پر مہر تصدیق ہے جنہوں نے مختلف النوع عصری چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے ہر نئی تحقیق کا ثبوت فراہم کیا اور یوں انہوں نے ہر دور کے صاحبان علم و فکر کو دین مبین کے دامن سے وابستہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور کاوشوں کے بل بوتے پر یہ واضح کیا کہ ہر دور میں انسانی علم اپنی ترقی کی معراج کو پا کر بھی علوم نبوت کی دہلیز پر سر تسلیم خم ہے۔

آج کا دور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ جدید سائنسی حوالے سے دین کی خدمت و اشاعت کی جسقدر ضرورت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ ان جدید سائنسی

علوم کی ترقی ہمارے لئے ایسا چیلنج ہے جس کا مقابلہ عصر حاضر کا اہم ترین دینی تقاضا ہے۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہماری جدید تعلیم یافتہ نسل نت نئے علوم و افکار کی چکا چوند سے ذہنی و فکری طور پر احساس کمتری کا شکار ہو کر دین اسلام سے گریزاں ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ غیر مسلم مفکرین نے اس دور رس خطرناک منصوبے پر برسوں سر جوڑ کر سوچا اور کامیاب عملی کوششیں کیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کو ہم بجا طور پر دین فطرت تسلیم کرتے ہیں اور خالق کائنات نے بار بار یہ باور کرایا ہے کہ حاملین قرآن کے ذمے تسخیر کائنات کا فریضہ ہے جبکہ موجودہ صورتحال میں تو ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ شانہ بشانہ چلنا مشکل نظر آتا ہے کجا ان پر غلبہ و تسخیر! اس کا علاج صرف اور صرف عسکری اور اقتصادی میدان میں ترقی ہے جو کلیتا سائنسی علوم میں مہارت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اس چیلنج کا مقابلہ ان جدید سائنسی تحقیقات اور علوم و فنون کی تردید سے ہرگز ممکن نہیں۔ اس کا اثر نہ صرف علمی و فکری اعتبار سے واضح ہو چکا ہے بلکہ اس کی سیاسی و اقتصادی اہمیت اس قدر مسلم ہو چکی ہے کہ ہم بحیثیت قوم اس حیرت انگیز ترقی سے صرف نظر کر کے اقوام عالم کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ اس وقت تبلیغ دین کے سلسلے میں جتنی جماعتیں، فورم اور تنظیمات سرگرم عمل ہیں ان کے لئے جو چیز سب سے اہم اور اسلامی فکر کی اشاعت کے ضمن میں سب سے بڑی حکمت کہلا سکتی ہے وہ دین کی عصری علوم کے شانہ بشانہ ایسی توضیحات و تشریحات ہیں جن سے اسلامی تعلیمات کی ان علوم کے ساتھ نہ صرف موافقت بلکہ فوقیت متحقق ہو۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اس دور کی مقتضیات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن و سنت کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں اور یہ ثابت کریں کہ اگر سائنسی علوم نے اتنی ترقی کر لی ہے تو اسلام اس ترقی کے منافی ہرگز نہیں بلکہ قرآن و حدیث نبوی ﷺ (جو اسلامی تعلیمات کے بنیادی سرچشمے ہیں) میں بیان کردہ حقائق کے سامنے جملہ سائنسی تحقیقات اپنی تمام تر رفعتوں کے باوجود ہیچ ہیں۔ ہمیں دلائل و براہین کے ساتھ جدید علوم و فنون سے تعلق رکھنے

والے غیر مسلم (Scholars) پر پورے اعتماد سے واضح کرنا چاہئے کہ قرآنی علم کا معیار موجودہ علمی ترقی سے بھی بہت بلند ہے کیونکہ ابھی تو اس کے نزول کے بعد انسانیت نے صرف چودہ سو سال کا مختصر زمانی سفر طے کیا ہے جبکہ اس کائنات کا سفر خدا جانے کتنے لاکھوں سال بعد قیامت پر منتج ہو گا اور قیامت تک یہ قافلہ نہ جانے کتنے ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا اس منزل کو پا سکے گا جس کے متعلق قرآن نے آج سے چودہ صدیاں پہلے ہمارے آقا و مولا نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کے ذریعے نشاندہی فرما دی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کے بے شمار حقائق ابھی غیر معروف ہیں ان تک سائنسی علوم کی رسائی تاحال نہیں ہو سکی اور بقول اقبال"

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

ان تقاضوں کے پیش نظر مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عالمی اسلامی تحریک' تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے نسل نو کے ذہنی رجحان اور اس رجحان میں کارفرما مغرب پسندی کا رخ تبدیل کرنے کے لیے مثبت اور کامیاب ترین کوششیں کی ہیں جس کی تصدیق ہر ذی شعور اور حقیقت پسند شخص کرتا ہے۔ یہ کتاب "انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء" آپ کی شاندار خدمات میں سے ایک ہے۔ قرآن اور جدید سائنسی تحقیقات کے تقابلی جائزے پر مشتمل یہ مختصر مگر اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں انسان یعنی عالم اصغر کی تخلیق کا مرحلہ وار ذکر ہے اور دوسرا حصہ کائنات یعنی عالم اکبر کے تخلیق و ارتقاء کے ذکر پر مشتمل ہے۔ "اسلام اور سائنس" کے موضوع پر لکھی گئی جملہ کتب میں اس کا نمایاں مقام تو اس کے تفصیلی اور بغور مطالعے کے بعد ہی متعین ہو گا لیکن ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ تحریر بیک وقت ہمارے علماء' سائنسدانوں' مفکرین و متعلمین کے لئے راہنمائی فراہم کرے گی۔

علی اکبر الازہری

حیات عالم میں نظام ربوبیت کے مظاہر

رب العالمین کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کائنات جملہ عوالم اور مظاہر حیات کی تخلیق و تکمیل کے مسلسل نظام ارتقاء سے گزر رہی ہے کیونکہ رب بوب اور (تربیت و ربوبیت کا معنی ارتقائی تدریجی اور مرحلہ وار پرورش کے مفہوم پر ہی دلالت کرتا ہے)۔ باری تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اور فعل کی تکمیل کے بیان کے لئے اپنی صفت ربوبیت کو منتخب فرمایا ہے۔ جس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ قرآن تصور ربوبیت کی صورت میں اپنا نظریہ ارتقاء دے رہا ہے جس کا ثبوت ہمیں انفس و آفاق کے دونوں عالموں میں واضح طور پر میسر آتا ہے اور رب العالمین کے الفاظ کے ذریعے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کائنات ہمیں جس شکل میں آج نظر آ رہی ہے یہ اس کی وہ اصل ابتدائی شکل نہیں جس میں اسے اولاً تخلیق کیا گیا تھا بلکہ یہ تخلیقی ارتقاء کے مختلف مراحل اور مدارج طے کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے۔

امر تخلیق اور اصول ارتقاء

قرآن مجید رب العالمین کی شان تخلیق کو دو الفاظ **امر** اور **خلق** کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ **(الاعراف ۷:۵۴)**	خبردار! اسی کے لئے ہے خلق بھی اور امر بھی

اس حوالے سے **امر** '**ابداع**' (عدم سے وجود میں لانا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خلق کا ایک استعمال ابداع کے مقابلے میں **ایجاد الشیئی من الشیئی** (ایک شے سے دوسری شئے وجود میں لانا) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس معنوی جہت کی بنا پر تخلیق کے دو مرحلے ہیں جو ربوبیت الٰہیہ کے فیضان سے مکمل ہوتے ہیں۔ **امر** پہلا مرحلہ ہے اور **خلق** دوسرا۔ خلق کی تعریف انگریزی زبان میں یوں کی جا سکتی ہے۔

Khalq is to create a new object from the existing constituents. Which means appearance of an object in its manifest form

امر کو ان الفاظ میں واضح کیا جا سکتا ہے۔

Amr is a process of becoming, prior to the stage of Khalq Which means coming of an object in its original existence

امر و خلق کے مراحل میں جو ارادۂ ربوبیت اور الوہی فلسفہ کار فرما ہوتا ہے اسے مشیت (Mashiyyat) کہتے ہیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسین ۳۶: ۸۲) اس کا امر تو یہی ہے کہ جب کسی شے کو (وجود میں لانا) چاہے تو اس سے فرماتا ہے ہو جا، تو ہو جاتی ہے۔

اس شے کا ہو جانا کیا ہے، یہ بھی ایک عمل ارتقاء ہے جو فوری طور پر وجود میں آ جاتا ہے تو جب کن ارادہ حق یا مشیت ربانی سے اس شے کو جس کا وجود پہلے فقط درجہ علم میں ہوتا ہے دو صفات عطا کر دی جاتی ہیں۔

۱۔ منظوریت (Objectivity)

۲۔ استمرار (Persistence/(Existence)

جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شے وجود علمی سے وجود خارجی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اب دیکھے جانے کے قابل ہو جاتی ہے اور برقرار رہ سکتی ہے۔ یہ عالم غیرنامی (inorganic World) کا آغاز ہوتا ہے۔ جمادات وغیرہ کا تعلق اسی عالم سے ہے بعد ازاں اسے امر کن کے فیضان مسلسل سے صفت نمو (Organism) عطا کر دی جاتی ہے اور عالم نامی (Organic World) وجود میں آ جاتا ہے۔ نباتات کا تعلق اس عالم سے ہے پھر اس عالم سے امر کن کے ذریعے سے ہی شعور (Conscience) کا اضافہ کیا جاتا ہے تو عالم حیوانات (Animal World) کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ پھر ہر عالم کے اندر ایک جداگانہ نظام ارتقاء ہے جس سے سلسلہ تخلیق کو وسعت ملتی چلی جاتی ہے۔ یہ سب مادی کائنات کا سلسلہ تخلیق ہے جسے عرف عام میں عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح غیرمادی یا **فوق الطبیعی** کائنات بھی ہے

جسے عرف عام میں عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں' اس کا بھی ایک سلسلہ تخلیق ہے جو جداگانہ نظام ارتقاء پر مبنی ہے' یہ انوار وارواح کا عالم ہے اس کے ارتقائی اور توسیعی سلسلے پر کچھ روشنی اس حدیث نبوی ﷺ سے پڑتی ہے جس میں حضرت جابر بن عبد اللہ حضور ﷺ سے دریافت کرتے ہیں۔

بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیئی خلق اللہ تعالی قبل الاشیاء قال یاجابر ان اللہ تعالی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ

(المواہب اللدنیہ' ۱ : ۹)

(زرقانی علی المواہب اللدنیہ' ۱:۴۶)

(السیرۃ الحلبیہ' ۱:۳۰)

یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا' اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا)

اس حدیث سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ تخلیق موجودات کے سارے نظام میں شان ربوبیت کی کار فرمائی نے ارتقاء اور تدریج پیدا کر دیا ہے سو ہر چیز خواہ اس کا تعلق کسی بھی عالم سے ایک ارتقائی نظام کے تحت وجود میں آئی۔ یہی رب العالمین کا مفہوم ہے۔

نظام ربوبیت اور انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء

جس طرح عالم آفاق کے جلوے اجمالا عالم انفس میں کار فرما ہیں اسی طرح نظام ربوبیت کے آفاقی مظاہر پوری آب و تاب کے ساتھ حیات انسانی کے اندر جلوہ فرما ہیں۔ انسان کے احسن تقویم کی شان کے ساتھ منصۂ خلق پر جلوہ گر ہونے سے پہلے اس کی زندگی ایک ارتقائی دور سے گزری ہے۔ یہی اس کے کیمیائی ارتقائی (Chemical Evolution) کا دور ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کا مطالعہ بجائے خود ایک دلچسپ اور نہایت اہم موضوع ہے۔ یہ حقائق آج صدیوں کے بعد سائنس کو معلوم ہو رہے ہیں جبکہ قرآن انہیں چودہ سو سال پہلے بیان کر چکا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء کم و بیش

سات مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ تراب (Inorganic Matter)

۲۔ ماء (Water)

۳۔ طین (Clay)

۴۔ طین لازب (Adsorbable or Adsorptive Clay)

۵۔ صلصال من حماء مسنون

(Old, Physically and Chemically Altered Mud)

۶۔ صلصال کالفخار (Dried and Highly Purified Clay)

۷۔ سلالہ من طین (Extact of Purified Clay)

قرآن مجید مذکورہ بالا سات مرحلوں کا ذکر مختلف مقامات پر یوں کرتا ہے۔

۱۔ تراب (Inorganic Matter)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
(المومن ۴۰:۶۷)

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی یعنی غیرنامی مادے سے بنایا۔

اس آیت کریمہ میں آگے حیاتیاتی ارتقاء کے بعض مراحل کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ثم من نطفة ثم من علقة ثم یخرجکم طفلا لیکن قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی کے ان ارتقائی مرحلوں کا ذکر باری تعالٰی نے اپنی صفت رب العالمین کے بیان سے شروع کیا ہے اس سے پہلی آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
(المومن ۴۰:۶۶)

اور مجھے حکم ہوا ہے کہ اس کے سامنے گردن جھکاؤں جو سارے عوالم اور ان کے مظاہر حیات کو درجہ بدرجہ مرحلہ وار کمال تک پہنچانے والا ہے۔

یہاں اپنی شان رب العالمین کا ذکر کر کے ساتھ ہی دلیل کے طور پر انسانی زندگی کا ارتقاء کر دیا گیا ہے جس سے واضح طور پر یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن باری تعالٰی کے رب العالمین ہونے کو انسانی زندگی کے نظام ارتقاء کے ذریعے سمجھنے کی دعوت دے

رہا ہے کہ اے نسل بنی آدم! ذرا اپنی زندگی کے ارتقاء کے مختلف ادوار و مراحل پر غور کرو کہ تم کس طرح مرحلہ وار اپنی تکمیل کی طرف لے جائے گئے۔ کس طرح تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیا گیا اور کس طرح تم بالآخر **احسن تقویم** کی منزل کو پہنچے۔ کیا یہ سب کچھ رب العالمین کی پرورش کا مظہر نہیں ہے جس نے تمہیں بجائے خود ایک عالم بنا دیا ہے۔

۲۔ ماء (Water)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا — اور وہی ہے جس نے آدمی کی تخلیق پانی سے کی۔

(الفرقان '۲۵: ۵۴)

آیت کریمہ میں بھی تخلیق انسانی کے مرحلے کے ذکر کے بعد باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بیان ہے۔

وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا — اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔

(الفرقان '۲۵: ۵۴)

گویا یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ تخلیق انسانی کا یہ سلسلہ باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کا مظہر ہے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ — اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی کے ذریعے تخلیق کیا۔ کیا وہ (پھر بھی) ایمان نہیں لاتے؟

(الانبیاء '۲۱: ۳۰)

یہ آیت کریمہ حیات انسانی یا حیات ارضی کے ارتقائی مراحل پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کے لئے دعوت فکر بھی ہے اور دعوت ایمانی بھی۔

۳۔ طین (Clay)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ — وہی ہے جس نے تمہیں گارے سے بنایا۔

(الانعام '۶: ۲)

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مترجمین قرآن نے بالعموم تراب اور طین دونوں کا معنی مٹی کیا ہے۔ جس سے ایک مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ دو الگ مرحلے ہیں یا ایک ہی مرحلے کے دو مختلف نام۔ اس لئے ہم نے دونوں کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے طین کا معنی گارا کیا ہے۔ تراب اصل میں خشک مٹی کو کہتے ہیں بلکہ امام راغب فرماتے ہیں۔ **التراب' الارض نفسها** (تراب سے مراد فی نفسہ زمین ہے) جبکہ طین اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو جیساکہ مذکور ہے۔

الطین' التراب والماء المختلط (المفردات)	مٹی اور پانی باہم ملے ہوئے ہوں تو اسے طین کہتے ہیں۔

اسی طرح کہا گیا ہے۔

الطین: التراب الذی یجبل بالماء (المنجد)	طین سے مراد وہ مٹی ہے جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو۔ (اسی حالت کو گارا کہتے ہیں)

اس لحاظ سے یہ ترتیب واضح ہو جاتی ہے۔ مٹی----پانی------گارا

طین لازب (Adsorbable or Adsorptive Clay)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (الصافات' ۳۷:۱۱)	بیشک ہم نے انہیں چپکتے گارے سے بنایا

طین لازب' طین کی اگلی شکل ہے جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے تو کہا گیا ہے۔

اذا زال عنہ (الطین) قوۃ الماء فھو طین لازب	جب گارے سے پانی کی سیلانیت زائل ہو جائے تو اسے طین لازب کہتے ہیں۔

یہ وہ حالت ہے جب گارا قدرے سخت ہو کر چپکنے لگتا ہے۔

۵۔ صلصال من حماٍ مسنون

(Old, Physically and Chemically Altered Mud)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر ۱۵:۲۶)

اور بیشک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی۔

صلصال: اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق انسانی کے کیمیائی ارتقاء میں یہ مرحلہ طین لازب کے بعد آتا ہے۔ یہاں صلصال (بجتی مٹی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی اصل صلل ہے اس کا معنی ہے۔

تردد الصوت من الشئی الیابس سمی الطین الجاف صلصالا (المفردات)

خشک چیز سے پیدا ہونے والی آواز کا تردد یعنی کھنکنانا۔ اسی لئے خشک مٹی کو صلصال کہتے ہیں کیونکہ یہ بجتی اور آواز دیتی ہے۔

کہا گیا ہے:

الصلصال: الطین الیابس الذی یصل من یبسہ ای یصوت (المنجد)

"صلصال" سے مراد وہ خشک مٹی ہے جو اپنی خشکی کی وجہ سے بجتی ہے یعنی آواز دیتی ہے۔

"صلصال" کی حالت گارے کے خشک ہونے کے بعد ہی ممکن ہے پہلے نہیں۔ کیونکہ عام خشک مٹی، جسے تراب کہا گیا ہے۔ اپنے اندر بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لفظ **صلصال** اس اعتبار سے **تراب** سے مختلف مرحلے کی نشاندہی کر رہا ہے۔ لہٰذا **صلصال** کا مرحلہ **طین لازب** یعنی چپکنے والے گارے کے بعد آیا۔ جب **طین لازب** (چپکنے والا گارا) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خشک ہوتا گیا تو اس خشکی سے اس میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ یہ تو طبعی تبدیلی (Physical Change) تھی مگر اس کے علاوہ اس پر وقت گزرنے کے مرحلے (Process) میں صاف ظاہر ہے کیمیائی تبدیلی ناگزیر تھی جس میں اس مٹی کے کیمیائی خواص میں بھی تغیر آیا ہو گا۔ ان دونوں چیزوں کی تصدیق اس آیت کے اگلے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔

"**حمی**" حرارت اور بخار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تپنے کھولنے اور جلنے وغیرہ کے معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ‘ ۸۸:۴)
جائیں گے بھڑکتی آگ میں۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (التوبہ‘ ۹:۳۵)
جس دن وہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا (النباء‘ ۷۸:۲۴-۲۵)
اس میں نہ تو کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو سوائے کھولتے پانی کے۔

الغرض "حما" میں اس سیاہ گارے کا ذکر ہے جس کی سیاہی‘ تپش اور حرات کے باعث وجود میں آئی ہو گویا یہ لفظ جلنے اور سڑنے کے مرحلے کی نشانی کر رہا ہے۔

"مسنون" اس سے مراد متغیر اور بدبودار ہے۔ یہ **سن** سے مشتق ہے جس کے معنی صاف کرنے چمکانے اور صیقل کرنے کے بھی ہیں مگر یہاں اس سے مراد متغیر ہو جانا ہے۔ جس کے نتیجے میں کسی شئے میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ **احماء** (جلانے اور ساڑنے) کا لازمی نتیجہ ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ (البقرہ‘ ۲:۲۵۹)
پس اپنے کھانے اور مشروب کی طرف دیکھو (طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود) متغیر اور بودار نہیں ہوا یعنی تازہ رہا۔

جب گارے **"طین لازب"** پر طویل زمانہ گزرا اور اس نے جلنے سڑنے کے مرحلے عبور کئے تو اس کا رنگ بھی متغیر ہو کر سیاہ ہو گیا اور جلنے کے اثر سے اس میں بو بھی پیدا ہو گئی۔ اسی کیفیت کا ذکر **صلصال من حماء مسنون** میں کیا جا رہا ہے۔

کسی شئے کے جلنے سے بدبو کیوں پیدا ہوتی ہے اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ جلنے کے عمل سے کثافتیں سڑتی ہیں اور بدبو کو جنم دیتی ہیں جو کہ مستقل نہیں ہوتی۔ اس وقت تک رہتی ہے جب تک کثافتوں کے سڑنے کا عمل یا اس کا اثر باقی رہتا ہے اور جب کثافت ختم ہو جاتی ہے تو بدبو بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا۔

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر‘ ۱۵:۲۶)
اس بجتی مٹی سے تخلیق کیا‘ جس کی اصل سیاہ بدبودار گارا تھا۔

گویا لفظ **صلصال** واضح کر رہا ہے کہ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے مٹی کی سیاہی اور بدبو

وغیرہ سب ختم ہو چکی تھی اور اس کی کثافت بھی کافی حد تک معدوم ہو چکی تھی۔

صلصال کالفخار (Dried and Highly puredClay)

اس مرحلے کی نسبت ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرحمان' ۵۵:۱۴) اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی خشک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

جب تپانے اور جلانے کا عمل مکمل ہو تا ہے تو گارا پک کر خشک ہو جاتا ہے اس کیفیت کو کالفخار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں۔

ا۔ ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا۔

ب۔ کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطف اور عمدہ حالت میں آ جانا۔

لفظ **فخار** کا مادہ فخر ہے جس کے معنی مباہات اور اظہار فضیلت کے ہیں یہ فاخر سے مبالغے کا صیغہ ہے یعنی بہت فخر کرنے والا۔ **فخار** عام طور پر گھڑے کو بھی کہتے ہیں اور مترجمین و مفسرین نے بالعموم یہاں یہی معنی مراد لئے ہیں ٹھیکرا اور گھڑا چونکہ اچھی طرح پک چکا ہوتا ہے اور خوب بجتا اور آوازیں دیتا ہے گویا اپنی آواز اور گونج سے اپنے پکنے خشک اور پختہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس لئے اسے فخر کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرتی ہے۔

یعبر عن کل نفیس بالفاخر یقال ثوب فاخرة وناقة فخور (المفردات)

ہر نفیس اور عمدہ چیز کو فاخر کہتے ہیں۔ اس لئے **ثوب فاخر** نفیس کپڑے کو اور **ناقة فخور** عمدہ اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔

اور **فخار** اسی سے مبالغہ ہے جو کثرت نفاست اور نہایت عمدگی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب المحیط بیان کرتے ہیں:

الفاخر اسم فاعل والجید من کل شیئی (محیط المحیط)

"الفاخر" اسم فاعل ہے اور ہر شئے کا عمدہ (حصہ) ہے۔

فخار میں عمدگی اور نفاست میں مزید اضافہ مراد ہے۔ اس معنی کی رو سے اظہار شرف کی بجائے اصل شرف کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں معانی میں ہرگز کوئی

تخالف اور تعارض نہیں بلکہ ان میں شاندار مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے باری تعالیٰ تخلیق انسانی کے سلسلہ ارتقاء کے ضمن میں اس مرحلے پر یہ واضح فرمارہے ہیں کہ وہ مٹی اور گارا جو بشریت کی اصل تھا۔ اس قدر تپایا اور جلایا گیا کہ وہ خشک ہو کر پکتا بھی گیا اور ساتھ ہی ساتھ مٹی' پانی اور کثافتوں سے پاک صاف ہو کر نفاست اور عمدگی کی حالت کو بھی پا گئی۔ یہاں تک کہ جب وہ **صلصال کالفخار** کے مرحلے تک پہنچی تو ٹھیکرے کی طرح خشک ہو چکی تھی اور کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ مادے کی حالت اختیار کر چکی تھی۔ گویا اب ایسا پاک' صاف' نفیس' عمدہ اور لطیف مادہ تیار ہو چکا ہے کہ اسے اشرف المخلوقات کی بشریت کا خمیر بنایا جا سکے۔ انسان اور جن کی تخلیق میں یہی فرق ہے کہ جن کی خلقت ہی آگ سے ہوئی مگر انسان کی خلقت میں **صلصال** کی پاکیزگی طہارت اور لطافت کے حصول کے لئے آگ کو محض استعمال کیا گیا۔ اسے خلقت انسانی کا مادہ نہیں بنایا گیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمان' ۵۵: ۱۴۔۱۵)	اور اس نے آدمی کو بجتی مٹی سے بنایا۔ ٹھیکری کی طرح خشک اور نفیس اور جن کو آگ کے بے دھواں شعلے سے بنایا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر' ۱۵: ۲۷)	اور جن کو انسان سے پہلے ہم نے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا فرمایا۔

اس لئے خلقت انسانی کے مراحل میں آگ کو ایک حد تک دخل ضرور ہے مگر وہ جنات کی طرح انسان کا مادہ تخلیق نہیں۔

سلالۃ من طین (Extrect of Purified Clay)

ارشاد ایزدی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (المومنون' ۲۳: ۱۲)	اور بے شک ہم نے انسان کو مصفیٰ (چنے ہوئے) گارے سے بنایا۔

اس میں گارے کے اس مصفی اور خالص نچوڑ کی طرف اشارہ ہے جس میں اصل جوہر کو چن لیا جاتا ہے۔ یہاں **طین لازب** کے تزکیہ و تصفیہ (Process of purification) کا بیان ہے۔ **سللہ۔ سل یسل** سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نکالنا' چننا اور میل کچیل سے اچھی طرح صاف کرنا شامل ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ **سللہ من طین** سے مراد **الصفو االذی یسل من الارض** ہے۔ یعنی مٹی میں سے چنا ہوا وہ جوہر جسے اچھی طرح میلے پن سے پاک صاف کر دیا گیا ہو۔ جس تلوار کی دھار خوب تیز کی گئی ہو اسے **السیف السلیسل** کہتے ہیں۔ الغرض **سللہ** اس وقت وجود میں آتا ہے جب کسی چیز کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ اس کی کثافتوں اور میلے پن کو ختم کیا جائے اور اس کے جوہر کو مصفی اور مزکی حالت میں نکالا جائے۔ گویا **سللہ** کا لفظ کسی چیز کی اس لطیف ترین شکل پر دلالت کرتا ہے جو اس چیز کا نچوڑ اور جوہر کہلاتی ہے۔

تخلیق آدم علیہ السلام اور تشکیل بشریت

کرہ ارض پر تخلیق انسانی کے آغاز کے لئے خمیر بشریت اپنے کیمیائی ارتقاء کے کن کن مراحل سے گزرا' اپنی صفائی اور لطافت کی آخری منزل کو پانے کے لئے کن کن تغیرات سے نبرد آزماء ہوا اور بالاخر کس طرح اس لائق ہوا کہ اس سے حضرت انسان کا بشری پیکر تخلیق کیا جائے اور اسے خلافت و نیابت الہیہ کے عالی شان منصب سے سرفراز کیا جائے۔ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو مذکورہ بالا بحث سے ضرور ہو سکتا ہے یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ ان ارتقائی مراحل کی جس ترتیب اور تفصیل کا ہم نے ذکر کیا ہے اسے حتمی نہ سمجھا جائے۔ کوئی بھی صاحب علم ان جزئیات و تفصیلات کے بیان میں اختلاف کر سکتا جو کچھ مطالعہ قرآن سے ہم پر منکشف ہوا ہم نے بلا تامل عرض کر دیا ہے۔ البتہ اس قدر حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آیات قرآنی میں مختلف الفاظ و اصطلاحات کے استعمال سے کیمیائی ارتقاء کے تصور کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

جب ارضی خمیر بشریت مختلف مراحل سے گزر کر پاک صاف ہو چکا اور اپنی جوہری حالت کو پہنچا تو اس سے باری تعالیٰ نے پہلے انسان کی تخلیق بصورت حضرت آدم

علیہ السلام فرمائی اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا۔ کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں جس کا پیکر بشریت اس طرح تشکیل دوں گا۔ یہ تفصیلات (البقرہ' ۲: ۳۰۔۳۴) (الحجر' ۱۵: ۲۶۔۳۵) (الاعراف' ۷: ۱۱۔۱۶) اور دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔

فرشتوں کا اس خیال کو ظاہر کرنا کہ یہ پیکر بشریت زمین میں خونریزی اور فساد انگیزی کرے گا۔ اسی طرح ابلیس کے انکار سجدہ کے جواز کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت اور **صلصال من حماء مسنون** کا ذکر کرنا وغیرہ یہ سب امور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کی نظر انسان کی بشری تشکیل کے ابتدائی اور درمیانی مراحل پر تھی اور وہ یہ خیال ان اجزائے ترکیبی کے خواص کے باعث کر رہے تھے جن کا استعمال کسی نہ کسی شکل میں اس پیکر خاکی کی تخلیق میں ہوا تھا۔ وہ مٹی کی کثافت اور آگ کی حرارت جیسی اشیاء کی طرف دھیان کئے ہوئے تھے ان کی نظر مٹی کی اس جوہری حالت پر نہ تھی جو مصفی اور مزکی ہو کر سراسر کندن بن چکی تھی۔ جسے باری تعالیٰ سللۃ من طین سے تعبیر فرما رہا تھا۔ مٹی کی یہ جوہری حالت (سللہ) کیمیائی تغیرات سے تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے اب یقیناً اس قابل ہو چکی تھی کہ اس میں روح الٰہیہ پھونکی جاتی اور نفخ روح کے ذریعے اس کے پیکر کو فیوضات الٰہیہ کے اخذ و قبول اور انوار و تجلیات ربانی کے انجذاب کے قابل بنا دیا جاتا۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر' ۱۵: ۲۹)	پس جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر جانا۔

چنانچہ بشریت انسانی کی اسی جوہری حالت کو سنوارا گیا اور اسے نفخ روح کے ذریعے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (آدم کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا) کا مصداق بنایا گیا اور تب ہی حضرت انسان مسجود ملائک ہوا۔

بشریت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوہری حالت

شیخ عبد اللہ بن الجاجمرہ اپنی کتاب "بہجہ النفوس" میں اور امام ابن سبع شفا الصدور میں کعب الاحبار سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بشریت محمدی

ﷺ کو تخلیق فرمانا چاہا تو جبریل امین کو ارشاد فرمایا کہ وہ دنیا کے دل اور سب سے اعلیٰ مقام کی مٹی لے آئے تاکہ اسے منور کیا جائے۔

فهبط جبريل في ملائكة الفردوس وملائكة الرفيع الأعلى فقبض قبضة الرسول الله ﷺ من موضع قبره الشريف وهي بيضاء منيرة فجنت بماء التقسيم في معين انهار الجنة حتى صارت كالدرة البيضاء لها شعاع عظيم

(شفاء الصدور)

(بهجة النفوس)

پس جبرئیل (علیہ السلام) مقام فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضور (ﷺ) کے مزار اقدس کی جگہ سے رسول اللہ (ﷺ) کی بشریت مطہرہ کے لئے مٹی حاصل کی۔ وہ سفید رنگ کی چمکدار مٹی تھی پھر اسے جنت کی رواں نہروں کے دھلے اور اجلے پانی سے گوندھا گیا اور اسے اسقدر صاف کیا گیا کہ وہ سفید موتی کی طرح چمکدار ہو گئی اور اس میں سے نور کی عظیم کرنیں پھوٹنے لگیں۔

اس کے بعد ملائکہ نے اسے لے کر عرش الٰہی اور کرسی وغیرہ کا طواف کیا۔ بالآخر تمام ملائکہ اور جمیع مخلوقات عالم کو حضور ﷺ اور آپ کی عظمت کی پہچان ہو گئی۔ حضرت ابن عباس سے اس ضمن میں اس قدر مختلف منقول ہے کہ آپ کے لئے خاک مبارک سرزمین مکہ کے مقام کعبہ سے حاصل کی گئی۔ صاحب عوارف المعارف نے بھی اس کی تائید کی گئی۔ ملاحظہ ہو (المواہب اللدنیہ از امام قسطلانی ۱:۸)

شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی بھی جواہر العارف السید عبد اللہ میر غنی کے تحت ان کی کتاب "الاسلہ النفسیہ" کے حوالے سے اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا پیکر بشریت بھی نور کی طرح لطیف تھا۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی روشنی میں بھی آپ کا سایہ نہ تھا جیسا کہ قاضی عیاض نے تصریح کی ہے۔

انه كان لاظل لشخصه في شمس ولا قمر' لانه كان نورا (الشفاء' ۱:۵۲۲)

حضور ﷺ کے پیکر اقدس کا سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں بھی سایہ نہ تھا کیونکہ وہ مجسم نور تھے۔

اس کی وضاحت ملا علی قاریؒ "شرح الشفاء میں اس طرح کرتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کیونکہ نور کا سایہ عدم جرمیت یعنی کثافت کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اسی اصول کے تحت مکتوبات میں اس امر کی تصریح کرتے ہیں اور امام نسفی نے "تفسیر المدارک" میں یہی بات حضرت عثمانؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

وقال عثمان: ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمہ علی ذالک الظل

(تفسیر المدارک، ۳:۱۳۵)

حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے بیشک آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا کہ کہیں کسی شخص کا قدم آپ کے سایہ مبارک پر نہ آجائے۔

آپ ﷺ کی بشریت مطہرہ کے اس پاکیزہ اور نورانی جوہر کی حالت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا پیکر اقدس سایہ سے پاک ہونے کے علاوہ اس امر سے بھی پاک تھا کہ اس پر کبھی مکھی بیٹھے جیسا کہ کتب سیر و فضائل میں صراحتاً منقول ہے۔

ان الذباب کان لایقع علی جسدہ ولا ثیابہ

(الشفاء، ۱:۵۲۲)

مکھی نہ آپ کے جسد اقدس پر بیٹھتی تھی اور نہ آپ کے لباس پر۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

ان اللہ عصمک من وقوع الذباب علی جسدک لانہ یقع علی النجاسات

(تفسیر النسفی، ۳:۱۳۴)

بیشک اللہ تعالیٰ نے جسم پر مکھی کے بیٹھنے سے بھی آپ ﷺ کو پاک رکھا ہے کیونکہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔

ان مقامات پر بیشک دیگر حکمتوں کی نشاندہی کی گئی ہے مگر یہ امر تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی بشریت مطہرہ کی لطافت و نظافت جو اس جوہری حالت کی آئینہ دار تھی، کا عالم کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیکر بشریت سے ہمہ وقت خوشگوار مہک آتی۔ پسینہ مبارک کو لوگ خوشبو کے لئے محفوظ کرتے۔ امام بخاری

تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں۔ حضور ﷺ جس راستے سے گزر جاتے لوگ فضا میں مہکی ہوئی خوشبو سے پہچان لیتے کہ آپ ﷺ ادھر تشریف لے گئے ہیں۔ اپنا دست مبارک کسی کے سر یا بدن سے چھو دیتے تو وہ بھی خوشبو سے پہچانا جاتا۔ الغرض ان تمام امور سے یہ حقیقت مترشح ہو جاتی ہے کہ بشریت محمدی ﷺ اپنی تخلیق کے لحاظ سے ہی اعلیٰ نورانی اور روحانی لطائف سے معمور تھی۔ گویا یہ تخلیق بشریت کے ارتقائی مراحل کا وہ نقطہ کمال تھا جسے آج تک کوئی نہیں چھو سکا یہ اعجاز و کمال اس شان کے ساتھ فقط بشریت مصطفوی ﷺ کو نصیب ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو مقام اصطفاء سے نوازا گیا اور آپ کو مصطفیٰ کے نام سے سرفراز کیا گیا۔

جوہر بشریت محمدی ﷺ اور اسم مصطفیٰ ﷺ

لفظ مصطفیٰ کا مادہ صفو یا صفا ہے جس کے معنی ہیں **خلوص الشئی من الشوب** (کسی شئے کا ملاوٹ سے بالکل پاک ہونا) **الصفا** کا معنی **الحجارہ الصافیہ** (صاف ستھرا پتھر) کیا جاتا ہے اس سے الاصفاء ہے جس کے معنی **استصفاء (تناول الصفو / تناول صفو الشئی** کسی شے کی انتہائی صاف حالت کو حاصل کرنا) کے ہیں جیسے الاختیار کے معنی **تناول خیر الشئی** کے آتے ہیں۔ یہاں ایک اہم نکتہ قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ لفظ مصطفیٰ کا معنی منتخب اور اصطفاء کا معنی بھی منتخب کرنا ہے۔ لغت میں اجتباء کے بھی یہی معنی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ کو بالعموم ہم معنی اور مترادف تصور کیا جاتا ہے مگر فی الحقیقت دونوں میں نہایت ہی لطیف فرق ہے جو ہم یہاں واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اجتباء اللہ العبد: کا معنی ہے۔ **تخصیصه اياه بفيض الهی يتحصل له بلاسعی من العبد** (کسی شخص کو اس فیضان الٰہی کی بنا پر بطور خاص چن لینا جو بندے کی کوشش اور کسب کے بغیر ہو) اجتباء میں بندہ بغیر کسب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی فیضان

کی بنا پر منتخب کیا جاتا ہے اس انتخاب میں بھی عطا محض اور وہب خالص کار فرما ہوتی ہے مگر یہ انتخاب بندے کی زندگی میں کسی وقت بھی ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ شروع سے ہی ہو۔

اس کے برعکس **اصطفاء** میں انتخاب تخلیق کے وقت سے ہی عمل میں آجاتا ہے۔

اصطفاء اللہ العبد: کا معنی ہے۔ **ایجادہ اباہ صافیا عن الشوب الموجد فی غیرہ** (کسی کو بوقت تخلیق ہی ہر اس قسم کی میل اور ملاوٹ سے پاک کردینا جو دوسروں میں پائی جاتی ہے)

اصطفاء میں بھی انتخاب اور چناؤ بندے کے کسب اور کوشش کے بغیر محض وہب الٰہی کے طور پر ہوتا ہے مگر یہ بعد میں کسی وقت نہیں بلکہ تخلیق اور ایجاد کے وقت سے ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے بوقت تخلیق ہی ہر قسم کے میل اور کثافت سے پاک وصاف کرلیا جاتا ہے اور وہ پیکر جب معرض وجُود میں آتا ہے تو پہلے ہی سے ہر کثافت مصفٰی ہر میل سے مزکی اور ہر عیب سے منزہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی تخلیق ہی پیکر صفا کے طور پر ہوتی ہے۔ اس لئے اسے مصطفٰی کہا جاتا ہے۔ یہ اصطفا اور انتخاب وقت ایجاد ہی سے ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا خمیر بشریت تیار ہوا تو اسے پہلے ہی سے صفو یعنی صفائی، نظافت اور لطافت کے اس مقام بلند تک پہنچا دیا گیا تھا کہ عالم خلق میں اس کی کوئی نظیر اور مثال نہ تھی بلکہ ملائکہ اور ارواح کو جو صفاء، لطافت، تزکیہ اور نظافت اپنی نورانیت کے باعث نصیب ہوتی ہے وہ سب کچھ حضور ﷺ کے پیکر بشریت ہی کو عطا کردیا گیا۔ یہ آپ کے مقام **اصطفاء** کا بنیادی تقاضا تھا۔ بنابریں ہمارا لعاب، پسینہ خون اور فضلات وغیرہ جو جسمانی کثافتوں کے باعث غلیظ، ناپاک یا بیماری کا باعث ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کے جسد اطہر کے لئے انہیں بھی پاک اور معطر بلکہ باعث شفا بنا دیا گیا جیساکہ متعدد کتب حدیث وفضائل سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سہل بن سعد ساعدیؓ، سلمہؓ، یزید بن عبد الرحمانؓ، عمرو بن معاذ انصاریؓ، بشیر بن عقربہ الجہنیؓ، محمد بن حاطبؓ، ابو امامہؓ، وائل بن حجرؓ، انس بن مالکؓ، ہمام بن نفیل السعدیؓ، عبد اللہ بن

عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، مالک بن سنانؓ، سعید بن منصورؓ، عمرو بن السائب سفینہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، حضرت برکت ام ایمنؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ وصحابیات سے اس باب میں اس قدر احادیث وروایات مروی ہیں کہ کوئی بھی سلیم الطبع شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس نوعیت کی احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، طبرانی، مسند احمد بن حنبل، سنن بیہقی، ابو نعیم، معجم بغوی مسند بزار، مستدرک حاکم، دار قطنی، الاصابہ، ابن السکن اور دیگر متعدد کتب حدیث وسیر میں مروی ہیں جن سے اس امر کی تائید اور استشہاد ملتا ہے۔

نظام ربوبیت اور انسانی زندگی کا حیاتیاتی ارتقاء

انسانی زندگی کا حیاتیاتی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جس میں واضح طور پر نظام ربوبیت کی جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں۔ یہ ارتقائی مرحلے ربوبیت الٰہیہ کے فیض سے بطن مادر کے نہاں خانوں میں اس طرح طے پاتے ہیں کہ چشم انسان کو ان کا گمان تک بھی نہیں ہو سکتا۔ سائنس صدیوں کی تحقیق کے بعد ان ارتقائی مراحل کا کھوج لگانے میں آج کامیاب ہوئی ہے مگر یہ مراحل جس رب کریم کے نظام ربوبیت کے مظاہر ہیں وہ آج سے چودہ صدیاں قبل جب سائنسی شعور نے دنیا میں آنکھ بھی نہیں کھولی تھی واضح طور پر بیان فرما چکا ہے۔ اگر حیاتیاتی ارتقاء کے ان مراحل کا جائزہ انسانی زندگی میں کار فرما نظام ربوبیت کے حوالے سے لیا جائے تو اس کے دو (۲) دور معلوم ہوتے ہیں ایک کا تعلق رحم مادر میں خلیاتی تقسیم (Cellular Division) اور اس کے نظام کے ساتھ ہیں اور دوسرے کا تعلق جسمانی تشکیل اور اس کے ارتقاء کے ساتھ۔

ا۔ نظام ربوبیت اور رحم مادر میں خلیاتی تقسیم کا سلسلہ

انسان کے حیاتیاتی ارتقاء کا پہلا قرآنی اصول یہ ہے کہ اس کی تخلیق نفس

واحدہ سے ہوتی ہے۔ قرآنی مجید اس ضابطے کو متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴: ۱)	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری تخلیق ایک جان (Single Life Cell) سے کی ہے۔

دوسرے مقام پر اس کی تصریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الانعام ۶: ۹۹)	اور وہی ہے جس نے تمہاری حیاتیاتی نشوونما ایک جان سے کی ہے۔

یہی اصول سورۃ الزمر کی آیت میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورہ لقمان میں اس اصول کو مزید زوردار انداز میں ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان ۳۱: ۲۸)	تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں دوبارہ اٹھانا بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک جان سے انسانی زندگی کا آغاز کیا جانا۔

اس نفس واحدہ کو جدید اصطلاح میں "Zygote" یا Fertilised Ovum کہتے ہیں۔ یہی ایک سیل حیات انسانی کے ارتقاء اور نشوونما کے لئے مکمل یونٹ (Complete Productive) کے طور پر کام کرتا ہے اس حقیقت کا اشارہ بھی واضح طور پر قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (الدھر ۷۶: ۲)	بیشک ہم نے انسان کو مخلوط منی (Mingled Fluid) میں سے پیدا کیا۔ پھر ہم اسے مختلف حالتوں میں پلٹتے اور جانچتے ہیں۔ حتی کہ اسے سننے دیکھنے والا بنا دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں نظام ربوبیت کے اس حسن انتظام کا بیان ہے کہ ذات حق نے اسی ایک جان کے اندر بنیادی طور پر مکمل سننے دیکھنے اور سوچنے سمجھنے والا

انسان بننے کی تمام صلاحیتیں (Potentialities) ودیعت کردی ہیں۔

۲۔ نطفہ امشاج سے کیا مراد ہے؟

انسان کے حیاتیاتی ارتقاء کے سلسلے میں دوسری اہم چیز نطفہ امشاج ہے جس کا تعلق Fertilization کے نظام سے ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں کم وبیش گیارہ مقامات پر کیا گیا ہے انہی میں نطفہ امشاج کا بیان بھی آتا ہے۔ قرآن حکیم سے "Fertilizing Liquid" کے سلسلے میں درج ذیل تفصیلات کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ منی یمنی (Sperm) اس کا بیان قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔

اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً (القیامہ '۷۵: ۳۷۔۳۸)	کیا وہ ابتداء محض ایک منی کا قطرہ نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکا دیا گیا۔ پھر وہ لوتھڑا بنا۔

اس میں نطفۃ من منی یمنی سے مراد وہ "Spermatic Liquid" یا Sperm ہے جو تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ ماء دافق (A liquid Poured out) اس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (الطارق '۸۶: ۵۔۷)	پس انسان کو غور (تحقیق) کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ قوت سے اچھلنے والے پانی (یعنی قوی اور متحرک مادہ تولید) میں سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور کولہے کی ہڈیوں کے درمیان (پیڑو کے حلقہ میں) سے گزر کر باہر نکلتا ہے۔

اسی جوہر میں انسانی تخلیق کی تمام صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔ اس آیت کریمہ میں صلب اور ترائب دو چیزوں کا ذکر ہے ترائب ' تربیہ کی جمع ہے۔ عربی ادب میں سینے

کی ہڈی کو ترببیہ اور سینے کی ہڈیوں یا دائیں اور بائیں طرف کی چار چار پسلیوں کو ترائب کہتے ہیں۔ اس لئے مترجمین نے بالعموم اس کا ترجمہ "ماؤں کے سینوں" کیا ہے۔ مگر دور جدید کی تحقیق اور سائنسی اصطلاح کے مطابق صلب کو "Sacrum" اور ترائب کو Symphysis Pubis یا Junction of Pelvic Bones کہا جاتا ہے یہ کولھے کی ہڈیوں کا جوڑ ہے۔

عصر حاضر کی اناٹومی نے اس امر کو ثابت کیا ہے جیساکہ میڈیکل سائنس کی کتابیں بیان کرتی ہیں:

The Seminal Passage in the pelvic cavity lies between the anterior and posterior segments of the pelvic girdle

کہ مرد کا پانی جو سیمنز "Semense" پر مشتمل ہوتا ہے اسی صلب اور ترائب میں سے گزر کر رحم مادر کو سیراب کرتا ہے۔ یہ اصول ساتویں صدی عیسوی میں جب Anatomy کا کوئی وجود نہ تھا قرآن مجید صراحت کے ساتھ بیان کرچکا ہے۔

بہرحال لفظ ترائب سینوں سے استعارہ ہو یا کولھوں کی ہڈیوں کے جوڑ سے پہلی صورت میں خلیاتی تقسیم سے قبل کے مرحلے کا بیان کرتا ہے اور دوسری صورت میں سیمنز پر مشتمل مرد کے پانی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۳۔ **ماء مھین** (A Despised Liquid) اس موضوع پر قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (السجدہ ۳۲:۸)	پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے نطفہ سے پیدا کیا جو اس کی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔

۴۔ **نطفہ امشاج** (Mixtures or Mingled Liquids) اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدھر ۷۶: ۲) — بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔

نطفہ امشاج کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ کئی رطوبات کا مرکب اور مجموعہ ہے اس لئے قرآن مجید نے اسے مخلوط کہا ہے اس امر کی تائید بھی عصر حاضر کی سائنسی تحقیق نے کر دی ہے۔

سائنسی تحقیق کے مطابق Spermatic Liquid بعض رطوبات (Secretions) سے بنتا ہے۔ جو درج ذیل غدودوں (Glands) سے آتی ہیں۔

1- Testicles　　2- Seminal Vesicles

3- Prostate Glands　　4- Glands of urinary Tract

خلیاتی تقسیم کا نظام اور انسانی زندگی کا ارتقاء

قرآنی مجید نے اس باب میں رب کائنات کے نظام ربوبیت کا تیسرا اصول یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حیاتیاتی خلیے (Fertilized Ovum) کو مزید دو میں تقسیم فرماتا ہے' اسی طرح انہیں مزید تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ تمام مردوں اور عورتوں کی تخلیق اسی خلیاتی تقسیم کے نظام کے تحت عمل میں آتی ہے دور جدید کی سائنس نے اس نظام تقسیم کو Mitotic Division سے تعبیر کیا ہے۔

ارشاد ایزدی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء ۴: ۱) — اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو' جس کا نظام ربوبیت یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک جان سے پیدا کرتا ہے پھر اس کا جوڑا نکالتا ہے اور پھر ان دونوں میں کثرت کے ساتھ مردوں اور عورتوں کو نکالتا اور پھیلاتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الزمر ۳۹:۶)
اس رب نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی میں سے اس کا جوڑ نکالا۔

ان آیات کریمہ میں تین امور واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔ انسانی تخلیق کا نفس واحدہ "Zygote" سے عمل میں آنا۔

۲۔ اس نفس واحدہ کا ابتداء دو میں تقسیم ہونا۔

۳۔ پھر ان دو Cells کا مزید تقسیم ہو کر کثیر تعداد میں پھیلنا حتیٰ کہ تمام مردوں اور عورتوں کی تخلیق کا یہی ذریعہ بننا۔ یہ "Mitotic Division" ہے جو علم الحیاتیات کی رو سے درج ذیل چار مراحل میں سے گزرتی ہے۔

1- Prophase　　2- Metaphase

3- Anaphase　　4- Telophase

اس طرح انسان کی حیاتیاتی زندگی' عمودی (Vertically) اور افقی (Horizontally) دونوں طرح ارتقاء پذیر رہتی ہے۔

۴۔ نفس واحدہ کیسے وجود میں آتا ہے

یہ امر سائنسی مسلمات میں سے ہے کہ Mitosis سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جسے Meiosis کہتے ہیں۔ اس میں مردانہ اور زنانہ سیلز (Cells) مرد اور عورت کے جسموں میں سے آتے ہیں جو "Maturation" سے پہلے بالترتیب "Testicular cells" اور "Ovarian Cells" کہلاتے ہیں۔ یہاں Meiosis کے مرحلے میں سے گزرنے کے بعد Spermatozoa اور Ova کی تشکیل ہوتی ہے اور یہ Fertilization کے ذریعے اس نفس واحدہ میں بدلتے ہیں جسے Zygote کہتے ہیں۔

۵۔ انڈے کا رحم مادر میں منتقل ہونا

جب Sperm اور Ovum کا ملاپ ہو جاتا ہے تو انڈا رحم (Uterus)

میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اسے (Implantation of Egg) کہتے ہیں۔

قرآن مجید اس مرحلے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (الحج '۲۲:۵)	اور ہم جسے چاہتے ہیں ماؤں کے رحموں میں ایک مقررہ میعاد تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

یہ انڈا (Egg) رحم مادر میں بڑھتا ہے اور اس کی زمین کے اندر جڑوں کی طرح لمبائی میں پھیل جاتا ہے اور رحم کے موٹاپے سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔

۶۔ علقہ کا وجود میں آنا

چنانچہ یہ نطفہ اس شکل میں رحم کے ساتھ معلق ہو جاتا اور جم جاتا ہے اس کے معلق ہونے کی اس کیفیت کو قرآن نے پانچ مختلف مقامات پر علقہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (العلق '۹۶:۱-۲)	اپنے رب کے نام سے پڑھیئے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو اس چیز سے پیدا کیا جو رحم مادر میں معلق ہوتی ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً (المومنون '۲۳:۱۳-۱۴)	پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم نے اس نطفہ کو رحم میں معلق کر دیا یعنی جال کی طرح پھنسا اور جما دیا۔

علقہ کے مندرجہ بالا معنی پر ہم انشاء اللہ آگے چل کر گفتگو کرتے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ قرآن مجید نے حیات انسانی کے ارتقاء کے جملہ مرحلوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس وقت ان حقیقتوں کو بیان کیا جب سائنسی تحقیق (Scientific Research) اور (Embryology) جیسے سائنسی مضامین کا

نام و نشان بھی نہ تھا کیا یہ سب کچھ قرآن اور اسلام کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کرنے کے لئے کافی نہیں؟ آخر ایسا کیوں نہ ہو تا کیونکہ قرآن اس رب کی نازل کردہ کتاب ہے جس کے نظام ربوبیت کے یہ سب پر تو ہیں اس لئے اس سے بہتر ان حقائق کو کون بیان کر سکتا تھا۔ بات صرف یہ ہے کہ سائنس جوں جوں چشم انسانی کے حجابات اٹھاتی جا رہی ہے۔ قرآنی حقیقتیں توں توں بے نقاب ہو کر سامنے آتی جا رہی ہیں۔

نظام ربوبیت اور رحم مادر میں انسانی وجود کی تشکیل و ارتقاء

قرآن مجید میں رحم مادر کے اندر انسانی وجود کی تشکیل اور اس کے ارتقاء کے مختلف مرحلے بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ رب کائنات کا نظام ربوبیت اپنی آب و تاب کے ساتھ بطن مادر کے اندر بھی جلوہ فرما ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی زندگی کے نقطہ آغاز سے لے کر اس کی تکمیل اور تولد کے وقت تک پرورش کا ربانی نظام انسان کو مختلف تدریجی اور ارتقائی مرحلوں میں سے گزار کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ انسانی وجود کی داخلی کائنات ہو یا عالم ہست و بود کی خارجی کائنات ہر جگہ ایک ہی نظام ربوبیت یکساں شان اور نظم و اصول کے ساتھ کار فرما ہے۔ قرآن مجید کے بیان کردہ ان مراحل ارتقاء کی تصدیق بھی آج کی سائنسی تحقیق کے ذریعے ہو چکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

١۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ	اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔
٢۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ	پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں رکھا۔
٣۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً	پھر ہم نے اس نطفہ کو (رحم مادر) جال کی طرح جما ہوا معلق وجود بنا لیا۔
٤۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً	پھر ہم نے علقہ سے لوتھڑا بنایا۔
٥۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا	پھر ہم نے اسی لوتھڑے سے ہڈیاں

بنائیں۔

۶۔ فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا

پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا۔

۷۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

(المومنون، ۲۳:۱۲۔۱۴)

پھر ہم نے اسے (تدریجاً مختلف مرحلوں میں سے گزار کر) ایک نئی صورت تخلیق عطا کی۔ پس اللہ بڑی برکت والا ہے۔ وہی سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

ان آیات میں انسانی تشکیل اور ارتقاء کے سات مراحل کا ذکر ہے۔ جن میں سے پہلے کا تعلق اس کی کیمیائی تشکیل سے ہے اور بقیہ چھ کا اس کے بطن مادر کے تشکیلی مراحل سے مذکورہ بالا آیات میں بیان کردہ انسانی ارتقاء (Developmental Stages of Human Embryo) کے مراحل درج ذیل ہیں۔

۱۔ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ Extract of Clay (Sulalah)

۲۔ نُطْفَةً Spermatic Liquid of Sperm (Nutfah)

۳۔ عَلَقَةً Hanging Mass Clinging to the Endometrium of the Uteris (Alaqah)

۴۔ مضغہ Chewed Lump of Chewed Substance(Mudghah)

۵۔ عظام Skeletal system (Ezam)

۶۔ لحم Muscular System (Lahm)

۷۔ خلق اخر New Creation (Khalq-i-Akhar)

پھر اس تخلیق میں باری تعالیٰ نے نظام سماعت کو نظام بصارت اور نظام عقل و فہم پر مقدم رکھا ہے ارشاد فرمایا گیا:

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (السجدہ، ۳۲:۹)

پھر اس کو (اعضا جسمانی کے تناسب سے) درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے جان پھونکی اور تمہارے لئے (سننے اور دیکھنے کو) کان اور آنکھیں بنائیں اور

(سوچنے سمجھنے کے لئے) دماغ مگر تم کم ہی
(ان نعمتوں کی اہمیت اور حقیقت کو سمجھتے
ہوئے) شکر بجالاتے ہو۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا
(الدھر ۷۶:۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ جسے ہم مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں۔ پھر ہم اس کو سننے والا (اور) دیکھنے والا (انسان) بنا دیتے ہیں۔

یہاں بھی اس امر کی صراحت ہے کہ انسانی ایمبریو (Embryo) کی نشوونما میں انسانی کانوں کے نظام کو پہلے وجود میں لایا جاتا ہے اور آنکھوں وغیرہ کو بعد میں۔

اسی حقیقت کی تصریح اور تائید آج ایمبریالوجی (Embryology) کی جدید تحقیق نے کر دی ہے۔ بقول ڈاکٹر کیتھ مور

Premordia of the internal ears appears before the beginning of the eyes and the brain (the site of understanding) differentiates last. This part of Sura 32:9 indicates that special senses of hearing, seeing and feeling develop in this order, which is true.

یہ وہ حقائق ہیں جنہیں قرآن چودہ سو سال پہلے منظر عام پر لایا اور آج جدید سائنس نے ان کی تصدیق و تائید کر دی ہے۔ جس سے باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کی عظمتوں کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی حقانیت اور نبوت محمدی کی صداقت و قطعیت کی ایسی عقلی دلیل بھی میسر آتی ہے۔ جس کا کوئی صاحب طبع سلیم انکار نہیں کر سکتا۔

بطن مادر میں انسان کے حیاتیاتی نشوونما کے یہ مدارج معلوم کرنے کا باقاعدہ سائنسی نظام سب سے پہلے ۱۹۴۱ء میں سٹریٹر (Streeter) نے ایجاد کیا جو اب ۱۹۷۲ء

میں (Orahilly) کے تجویز کردہ نظام کے ذریعے زیادہ بہتر اور صحیح شکل میں بدلا جا چکا ہے۔

مگر قرآن مجید کا اسی صحت ترتیب کے ساتھ آج سے ۱۴ صدیاں قبل ان مدارج کو بیان کرنا جس کی تصدیق آج اناٹومی اور ایمبریالوجی کی جدید تحقیقات کے ذریعے ہوئی ہے ایک ناقابل انکار معجزہ ہے۔

بچے کا بطن مادر میں تین پردوں میں تشکیل پانا

اسی طرح بطن مادر میں نظام ربوبیت کے محیرالعقول کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باری تعالیٰ بچے کی حیاتیاتی تشکیل کے یہ تمام مرحلے ماں کے پیٹ میں تین پردوں کے اندر مکمل فرماتا ہے۔ یہ بچے کی حفاظت کا کس قدر خوشگوار اہتمام ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۔ (الزمر ۳۹: ۶)

وہ تمہیں ماؤں کے پیٹ میں تاریکیوں کے تین پردوں کے اندر ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں مرحلہ وار تخلیق فرماتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب (تدریجا پرورش فرمانے والا) ہے۔ اسی کی بادشاہی (اندر بھی اور باہر بھی) ہے۔ سو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر تم کہاں بہکے چلے جاتے ہو۔

۱۷ ویں صدی عیسوی میں "Leeuwen Hook" نے مائیکروسکوپ (Microscope) ایجاد کیا۔ صاف ظاہر ہے اس سے پہلے اندرون باطن ان مخفی حقیقتوں کی صحیح سائنسی تعبیر کس کو معلوم ہو سکتی تھی۔ آج سائنس ان پردوں کی حقیقت بھی منظر عام پر لے آئی ہے۔ جس کی رو سے اس امر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ واقعہ بطن مادر میں بچے کے یہ ارتقائی مرحلے تین پردوں میں ہی تکمیل پذیر ہوتے ہیں جنہیں قرآن مجید نے ظلمت ثلاث (Three veils of Darkness) کے

ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1- Anterior Abdominal wall 2- Uterine wall

3- Amniochorionic Membrane or Extra Embryonic membranes

قرآن مجید نے ظلمت (Vills of Darkness) کا لفظ استعمال کیا ہے جو Layers کے لئے نہیں بلکہ "Opacities" کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ ہر پردے کے اندر کئی تہیں (Layers) ہیں اس لئے رب کامل نے انہیں **ظلمات** کے لفظ کے ذریعے واضح فرمایا ہے **ظلمات ثلاث** کی ایک اور متبادل سائنسی تعبیر بھی درج ذیل ہے۔

1- Chorion 2- Amnion 3- Amniontic Fluid

مگر ڈاکٹر Keith.l Moore کی تحقیق کی رو سے پہلی تعبیر زیادہ صحیح اور مناسب حال ہے۔ یہاں متذکرہ بالا سائنسدان ڈاکٹر مور جو کینیڈا کی یونیورسٹی آف ٹورانٹو (University of Toronto) میں شعبہ اناٹومی کے پروفیسر ہیں کی اصل انگریزی تحریر کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

A SCIENTIST'S INTERPRETATION OF REFERENCES TO EMBRYOLOGY IN THE QUR'AN

Keith L. Moore, Ph.D., F.I.A.C.,

Statements referring to human reproduction and development are scattered throughout the Qur'an. It is only recently that the scientific meaning of some of these verses has been appreciated fully. The long delay in interpreting these verses correctly resulted mainly from inaccurate translations and commentaries, and from a lack of awareness of scientific knowledge.

Interest in explanations of the verses of the Qur'an is not new, People used to ask the prophet MOHAMMED all sorts of questions about the meaning of verses referring to human reproduction. The Apostle' s answer form the basis of the Hadith literature.

The translations of the verses from the Qur'an which are interpreted in this paper were provided by sheik Abdul Majid Zendani, a Professor of Islamic Studies in King Abdulaziz University in Jeddah, Saudi Arabia.

"He makes you in the wombs of your mothers, in stages, one after another, in three veils of darkness."

This statement is from Sura 39. We do not know when it was realized that human beings underwent development in the uterus (Womb), but the first known illustration of a fetus in the uterus was drawn by Leonardo da Vinci in the 15th century. In the 2nd century A.D., Galen described the placenta and fetal membranes in his book "On The Formation of the Foetus." Consequently, doctors in the 7th century A.D. likely knew that the human embryo developed in the uterus. It is unlikely that they knew that it developed in stages, even though Aristotle had described the stages of development of the chick embryo in the 4th century B.C. The realization that the human embryo develops in stages was not discussed and illustrated until the 15th century.

After the microscope was discovered in the 17th century by Leeuwenhook, descriptions were made of the early stages of the chick embryo. The staging of human embryos was not described until the 20th century. Streeter (1941) developed the first system of staging which has now been replaced by a more accurate system proposed by O`Rahilly (1972).

"The three veils of darkness" may refer to: (1) the anterior abdominal wall; (2) the uterine wall; and (3) the amniochorionic membrane (Fig. 1). Although there are other interpretations of this statement, the one presented

here seems the most logical from an embryological point of view.

"Then we placed him as a drop in a place of rest." This statement is from Sura 23: 13. The drop or nutfa has been interpreted as the sperm of spermatozoon, but a more meaningful interpretation would be the zygote which divides to form a blastocyst which is implanted in the uterus ("a place of rest"). This interpretation is supported by another verse in the Qur'an which states that "a human being is created from a mixed drop." The zygote forms by the union of a mixture of the sperm and the ovum ("The mixed drop").

"Then we made the drop into a leech-like structure."

This statement is from Sura 23: 14. The word "alaca" refers to a leech or bloodsucker. This is an appropriate description of the human embryo from days 7-24 when it clings to the endometrium of the uterus, in the same way that a leech clings to the skin. Just as the leech derives blood from the host, the human embryo derives blood from the decidua or pregnant endometrium. It is remarkable how much the embryo of 23-24 days resembles a leech (Fig. 2). As there were no microscopes of lenses available in the 7th century, doctors would not have known that the human embryo had this leech-like appearance. In the early part of the fourth week, the embryo is just visible to the unaided eye because it is smaller than a kernel of wheat.

"Then of that leech-like structure, We made a chewed lump."

This statement is also from Sura 23: 14. The Arabic word "Mudghah" means "chewed substance or chewed lump." Toward the end of the fourth week, the human embryo looks somewhat like a chewed lump of flesh (Fig. 3) The chewed appearance results from the somites which resemble teeth marks. The somites represent the beginnings or primordia of the vertebrae.

"Then we made out of the chewed lump, bones, and clothed the bones in flesh."

This continuation of Sura 23: 14 indicates that out of the chewed lump stage, bones and muscles form. This is in accordance with embryological development. First the bones form as cartilage models and then the muscles (flesh) develop around them from the somatic mesoderm.

"Then we developed out of it another creature." This next part of Sura 23: 14 implies that the bones and muscles result in the formation of another creature. This may refer to the human-like embryo that forms by the end of the eighth week. At this stage it has distinctive human characteristics and possesses the primordia of all the internal and external organs and parts. After the eighth week, the human embryo the human embryo is called a fetus. This may be the new creature to which the verse refers.

"And He gave you hearing and sight and feeling and understanding."

This part of Sura 32:9 indicates that the special senses of hearing, seeing, and feeling develop in this order, which is true. The primordial of the internal ears appear before the beginning of the eyes, and the brain (the site of understanding) differentiates last.

"Then out of a piece of chewed flesh, partly formed and partly unformed."

This part of Sura 22:5 seems to indicate that the embryo is composed of both differentiated and undifferentiated tissues. For example, when the cartilage bones are differentiated, the embryonic connective tissue or mesenchyme around them is undifferentiated. It later differentiates into the muscles and ligaments attached to the bones.

"And We cause whom we will to rest in the wombs for an appointed term."

This next part of Sura 22: 5 seems to imply that God determines which embryos will remain in the uterus until full term. It is well known that many embryos abort

during the first month of development, and that only about 30% of zygotes that form, develop into fetuses that survive until birth. This verse has also been interpreted to mean that God determines whether to mean that God determines whether the embryo will develop into a boy or girl, and whether the child will be fair or ugly.

This interpretation of the verses in the Qur`an referring to human development would not have been possible in the 7th century A.D., or even a hundred years ago. We can interpret them now because the science of modern Embryology affords us new understanding.

Undoubtedly there are other verses in the Qur`an related to human development that will be understood in the future as our knowledge increases.

References:

1. Arey, L.B: development. Anatomy: A Textbook and Laboratory Manual of Embryology, revised 7th ed., Philadelphia, W.B. Sanders Co., 1974.

2. Moor, K. L: The developing Human Clinically Oriented Embryology, 3rd ed. Philadelphia, W.B. Sanders Co., 1982.

3. Moore, K. L: Highlights of Human Embryology in the Qur'an and the Hadith. Proceedings of the Seventh Saudi Medical Meeting, 1982.

4. Moore, K. L: Before We are Born, Basic Embryology and Birth Defects, 2nd ed., Philadelphia, W.B. Sanders Co., 1983.

5. O' Rahilly, R. : Guide to the Staging of Human Embryo

6. Streeter,G.L: Developmental Horizons in human embryos:

Descriptions of age group XI,13 to 20 somites, and age group XII, 21 to 29 somites. Contrib Embryol. Carnegie Inst.30:211,1942.

ربوبیت الٰہیہ اور انسانی تکوین میں حسن نظم

ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی جسم کی حیاتیاتی تشکیل میں قدم قدم پر ربوبیت الٰہیہ کے حسی اور معنوی لاتعداد مظاہر کار فرما ہیں۔ ہر جگہ حسن نظم اور حسن ترتیب کی آئینہ داری ہے۔ ہر کام اور مرحلے کے لئے مخصوص مدت اور طریق متعین ہے۔ ایک مرحلے کے جملہ مقتضیات خود بخود پورے ہو رہے ہیں۔ جو کام انسان کے جسمانی پیکر سے بعد میں لیا جانے والا ہے اس کی تمام تر ضرورتیں رحم مادر میں پوری کی جا رہی ہیں۔ ہر مرحلے پر نہ صرف ان ضرورتوں کی کفالت ہو رہی ہے بلکہ بہرطور ان کی حفاظت و نگہداشت کے بھی تمام انتظامات ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کے نظام ربوبیت کی اور کرشمہ سازی کیا ہو گی کہ مکمل انسان کے لئے مطلوبہ تمام صلاحیتوں کا جوہر ایک نطفہ کے اندر پیدا کر دیا گیا ہے۔ پھر اس کے خواص و آثار اور علامات کو اپنے اپنے مقررہ اوقات پر پورا کر کے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس اصول کو نظام ربوبیت کے تحت تقدیر کے عنوان سے واضح کیا گیا ہے تقدیر کا معنی اندازہ کرنا ہے خواہ یہ کسی شے کے وجود میں ہو یا ظہور میں' کمیت میں ہو یا کیفیت میں' مدت پرورش میں ہو یا تکمیل میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا

(الفرقان' ۲۵:۲)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے اس کے لئے خاص اندازہ مقرر کیا۔

باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کے اس حسن تقدیر نے کائنات کے ظاہر و باطن میں ایک عجیب نظم و تربیت مطابقت و یگانگت اور توازن و اعتدال پیدا کر دیا ہے یہی رنگ ہم بچے کی تشکیل و ارتقاء کے جملہ مراحل میں کار فرما دیکھتے ہیں اس خاص موضوع پر ارشاد ربانی ہے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ

اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پھر اس کے ہر مرحلے اور ہر

فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ○
(عبس، ۸۰:۱۸۔۲۲)

حالت کے لئے ایک (مدت اور) اندازہ مقرر کیا پھر اس کے لئے (اگلی حالت کی) راہ آسان کر دی پھر (پیدائش کے بعد ایک خاص مدت گزرنے پر) اسے موت دی۔ پھر اسے قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا (ایک خاص عرصے کے بعد اگلی زندگی کے لئے) اسے باہر نکالے گا۔

انسانی تکوین وجود کے چار مرحلے

قرآن مجید نے انسانی وجود کی تکوین میں چار مرحلوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ تخلیق (Creation)

۲۔ تسویہ (Arrangement)،

۳۔ تقدیر (Estimation)

۴۔ ہدایت۔ (Guidance)

ارشاد الٰہی ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَى○ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى○
(الاعلیٰ، ۸۷:۱۔۳)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جو سب سے بلند ہے جس نے اسے پیدا کیا، پھر جو اسے بالکل ٹھیک حالت پر لایا اور جس نے ہر وجود کے لئے (اس کی ضرورت اور حالت کے مطابق) ایک اندازہ مقرر فرمایا پھر اسے ہدایت کی دولت سے نوازا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تکوین وجود کے تمام مرحلے نظام ربوبیت کی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ ہر مرحلے کو ایک خاص حکمت و تدبر اور نظم کے ساتھ مکمل کیا جاتا ہے۔

اس کی بحث بڑی تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے کہ کس طرح انسانی وجود نطفے سے باقاعدہ خلق کے مرتبے تک پہنچتا ہے ہر مرحلے میں اس کی ایک مدت مقرر ہے جس میں بعض خاص امور کی تکمیل ہوتی ہے پھر اسے اگلے مرحلے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ○ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ○

(المرسلات ۷۷: ۲۰۔ ۲۳)

کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں رکھا۔ ایک معلوم و معین انداز سے (مدت) تک پھر ہم نے (اگلے ہر ہر مرحلے کے لئے) اندازہ فرمایا۔ پس ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ

(الانعام ۶: ۹۹)

اور وہی پروردگار ہے جس نے تمہیں ایک جان (Cell) سے پیدا کیا اور پھر تمہیں (ایک خاص مدت تک) عارضی ٹھکانے پر ٹھہرنا ہے اور پھر اما نتاً وہ وقت گزار کر اگلی حالت میں منتقل ہو جانا ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو الفاظ قابل توجہ ہیں۔ مستقر اور مستودع

مستقر: قرار استقر سے ہے اور مستودع۔ ودع (استودع) سے

مستقر میں عارضی طور پر ایک مقام پر ایک حالت میں رہنے کی طرف اشارہ ہے جب کہ

مستودع: میں وہاں اپنا وقت گزارنے اور اگلی حالت میں منتقل ہونے کی طرف اشارہ ہے انسانی تکوین وجود کے مرحلہ تخلیق میں سپرم (Sperm) باپ کی پشت سے

آتا ہے اور رحم مادر کے اندر اوو م (Ovum) سے اپنا رابطہ قائم کرتا ہے۔

یہاں نظام ربوبیت کا کیسا شاندار اہتمام ہے کہ ایک اوسط درجے کے آدمی کا ایک بار خارج شدہ مادہ تولید اپنے اندر چار سو ملین (چالیس کروڑ) سپرم (Sperm) رکھتا ہے جس سے چالیس کروڑ عورتوں کے حمل واقع ہو سکتے ہیں مگر نظام قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ جب پہلا سپرم (Sperm) عورت کے رحم میں اووم (Ovum) سے پیوست ہو کر اس میں داخل ہوتا ہے تو اسی وقت اووم (Ovum) پر ایک جھلی (Membrane) آجاتی ہے جو دوسرے (Sperm) کو اس میں داخل ہونے سے روک دیتی ہے۔ اسے (Fertilizing Membrane) کہتے ہیں چنانچہ ان دونوں کے ملاپ سے تکوین وجود انسانی کے کام کا آغاز ہو جاتا ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بعد ازاں مختلف تخلیقی مرحلوں میں سے گزر کر (Embryo) وجود میں آتا ہے۔ رب کریم کی شان پروردگاری دیکھئے کہ اس کے ہر مرحلے کے لئے خاص مدت مقرر ہے جس میں بعض تخلیقات وجود میں آتی ہیں جن کے اندر تدریجاً ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور وہ (Embryo) یکے بعد دیگرے مختلف مرحلوں اور حالتوں میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اس کی حالت میں ہفتہ وار تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس کے اعضاء کا تخلیقی اور تکوینی عمل جاری رہتا ہے حتیٰ کہ چھ ہفتے کے بعد بچے کی سی شکل دکھائی دینے لگتی ہے۔ پھر اس میں نظام استخوان اور بعد ازاں گوشت پوست کے ساتھ نظام اعصاب کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام خلق کو پالیتا ہے اور **هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ** (وہ تمہیں ماؤں کے رحموں کے اندر ہی جسمانی شکل وصورت اور انداز ساخت عطا کر دیتا ہے۔ جیسے وہ چاہتا ہے) کے مراتب اور مدارج سے گزرتا ہوا۔ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ** (بیشک ہم نے انسان کو بہترین صورت اور ساخت پر تخلیق کیا ہے) کی شان کے ساتھ منصہ شہود پر جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

قرآنی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحلہ تقدیر کی رحم مادر کے اندر مزید تین قسم کی تفصیلات ہیں۔

ا۔ تعدیل (Equalization)

ب۔ تصویر (Personification)

ج۔ ترکیب (Methodical Formation)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ○ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ○ فِيْ أَيِّ صُوْرَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ ○ (الانفطار، ۸۲:۶۔۸)

اے انسان تجھے اپنے بزرگی والے رب سے کس چیز نے سرکش کر دیا جس نے تجھے تخلیق کیا، پھر تیرا تسویہ کیا (یعنی تجھے بالکل ٹھیک حالت پر لایا) پھر اس نے تیری تعدیل کی (یعنی تجھے جسمانی اعضا کے تناسب کے ذریعے ہموار کیا) پھر جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔

اس آیت کریمہ میں تخلیق و تسویہ کے بعد مذکورہ بالا تینوں مراتب کا ذکر ہے۔ تعدیل، تصویر اور ترکیب۔ یہ تمام مرحلہ تقدیر ہی کی تفصیلات ہیں۔

باری تعالیٰ نے آغاز حمل سے اختتام ضرورت رضاعت تک کا عرصہ بھی مقرر فرما دیا ہے جو کم از کم تیس ماہ ہے جس طرح بچہ رحم مادر میں پرورش پا کر عالم آب و گل میں رہنے کے قابل ہو جائے تو اسے فوراً تولد کے ذریعے دنیا میں منتقل کر دیا جاتا ہے اسی طرح بچے کا معدہ عام غذاؤں کو ہضم کرنے کی استعداد حاصل کر لے تو تدریجاً ماں کا دودھ خود بخود خشک ہونے لگتا ہے اور یہ تبدیلی اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اب بچے کو رضاعت کی ضرورت نہیں رہی اسے دوسری غذاؤں کی طرف منتقل کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف، ۴۶:۱۵)

اس کی ماں نے اسے تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور اس طرح تکلیف سے جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت (کم از کم) تیس ماہ کی ہے۔

دوران حمل نظام ربوبیت کے مظاہر

جب تک بچہ رحم مادر میں اپنے تشکیلی اور تکوینی مراحل طے کرتا ہے باری تعالٰی کا نظام ربوبیت اس کی جملہ ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ درج ذیل چار امور کا کس قدر حسن وخوبی سے انتظام کرتا ہے اس کا ایک ایک پہلو ہمیں اللہ تعالٰی کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

۱۔ **تغذیہ** (Nourishment or Nutrition) اس کی نشوونما کے لئے ہر قسم کا ضروری مواد رحم مادر میں فراہم ہوتا ہے۔

۲۔ حفاظت (Protection) رحم مادر میں اس کی ضروری نقل وحرکت کا اس کے مناسب حال انتظام کردیا جاتا ہے۔

۳۔ نقل وحرکت (Movement) رحم مادر میں اس کی ضروری نقل وحرکت کا اس کے مناسب حال انتظام کردیا جاتا ہے۔

۴۔ تکیف حرارت (Control of Temperature) اس کی طبی ضروت کے مطابق رحم مادر کے اندر بچے کو مطلوبہ حرارت (Temperature) مہیا ہوتی رہتی ہے۔ ماں کے خون میں سے جو مواد بچے کے لئے مفید اور ضروری ہے اسے خود بخود میسر آتا رہتا ہے اور جو مواد مضر اور نقصان دہ ہے خود بخود ضائع ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک خلاق عالم اور قادر مطلق کی باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر یہ سب کچھ ایک نظم وترتیب کے ساتھ کیسے ممکن ہے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**

انسان کا شعوری ارتقاء اور نظام ربوبیت

جس طرح انسان کے جسمانی وجود کی تکوین وتکمیل کے لئے نظام ربوبیت کے حسین وجمیل جلوے پوری آب وتاب کے ساتھ ہر جگہ اور ہر مرحلے پر کار فرما نظر آتے ہیں۔ یہی رنگ اور ڈھنگ انسان کے شعوری ارتقاء کے نظام میں بھی نظر آتا ہے۔ خلاق عالم کے حسن ربوبیت نے انسان کی جسمانی ساخت اور پرورش کی ذمہ داری

نبھانے کے ساتھ اس کی مختلف ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اسے ایک مرحلہ وار نظام ہدایت سے بھی نواز دیا ہے جس سے وہ اپنے ہر مرحلہ حیات پر نہ صرف مختلف ضروریات و مقتضیات کو جانتا اور پہنچانتا ہے بلکہ ان کی تسکین و تکمیل کے لئے مختلف راستے اور وسائل بھی تلاش کرتا ہے وہ جوں جوں عمر کے مختلف ادوار طے کرتا چلا جاتا ہے اس کی ضرورتیں بدلتی چلی جاتی ہیں ان میں تنوع اور توسع آتا چلا جاتا ہے ان میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے پہلے سے موجود طبعی ذرائع ہدایت اس کی نئی حاجات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ سو خود بخود اگلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے دروازے کھل جاتے ہیں اور یوں انسان کا شعوری سفر اپنی منزل کی طرف جاری رہتا ہے۔ اس شعوری پرورش کی ذمہ داری بھی رب کائنات نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور وہ اس کا آغاز بھی زمانہ رحم سے کر دیتا ہے۔

جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رحم مادر میں اعضاء جسمانی کی تشکیل و تکمیل کے ساتھ ساتھ مختلف ذرائع ہدایت کی تکوین کا سلسلہ بھی ایک خاص نظم و ترتیب سے شروع کر دیا جاتا ہے پھر یہ سلسلہ پیدائش کے بعد بھی ایک خاص نظم کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جاری رہتا ہے۔

انسانی زندگی اور اقسام ہدایت

باری تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کا جلوہ کمال انسانی زندگی کو مختلف قسم کی ہدایتوں سے سرفراز فرما کر دکھایا ہے اگر ماحولیاتی ضرورتیں' تقاضے اور حقائق کی نوعتیں جدا جدا ہوں مگر ذریعہ ہدایت اور ماہیت ہدایت ایک ہی ہو تو صاف ظاہر ہے نہ یہ تقاضائے پرورش ہے اور نہ روش بندہ پروری۔

رب کائنات نے انسان کو بلکہ ہر ذی روح کو اس کے حسب حال ذرائع ہدایت سے نوازا ہے۔ مطالعہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہدایت بنیادی طور پر درج ذیل پانچ اقسام پر مشتمل ہے جبکہ آخری قسم ہدایت مزید تین صورتوں میں پائی جاتی ہے۔

۱۔ ہدایت فطری (ہدایت وجدانی)

۲۔ ہدایت حسی

۳۔ ہدایت عقلی

۴۔ ہدایت قلبی

۵۔ ہدایت ربانی (ہدایت بالوحی)

(i) ہدایت عامہ (ہدایت الغایہ)

(ii) ہدایت خاصہ (ہدایت الطریق) (iii) ہدایت ایصال (ہدایت الایصال)

۱۔ ہدایت فطری

شبلی نعمانی اور ابوالکلام آزاد اس ہدایت کو ہدایت وجدانی سے تعبیر کرتے ہیں بقول ابوالکلام وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے اور وہ باہر کی رہنمائی و تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔ انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا' جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ اسے زور زور سے چوسنا چاہئے۔ بلی کے بچے کو ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں' ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے' وہ اس کے سینے پر منہ مار رہے ہیں۔ یہ بچہ جس نے عالم ہست میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے' جسے خارج کے موثرات نے چھوا تک نہیں' کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اسے پستان منہ میں لے لینا چاہئے اور اس کی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کون سا فرشتہ ہے جو اس وقت اس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کر لے؟ یقیناً وہ فطری ہدایت کا فرشتہ ہے اور یہی فطری ہدایت ہے جو قبل اس کے کہ حواس وادراک کی روشنی نمودار ہو' ہر مخلوق کو اس کی پرورش و زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے۔

تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہو گی۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ بلی اپنی عمر میں

پہلی مرتبہ حاملہ ہوتی ہے۔ اس حالت کا اسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں۔ تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری و حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہیں۔ جونہی وضع حمل کا وقت آتا ہے' خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے تم نے دیکھا ہو گا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے۔ پھر یکایک اس کے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے غور کرو! یہ کون سی قوت ہے جو بلی کے اندر خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے' بلی کے اندر خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے' کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اسے ضرورت ہو گی یہ کون سا الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور ان کی بو سونگھتا پھرتا ہے' اس لئے جگہ بدلتے رہنا چاہئے؟ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی فطری ہدایت ہے جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جو ان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔ یہ ہدایت ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کر دی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔

رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ (طٰہٰ '۲۰:۵۰)	ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے حسب حال) صورت عطا کی اور پھر اسے (اس کی حسب ضرورت) ہدایت سے نوازا۔

۲۔ ہدایت حسی

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکات حسی کی ہدایت ہے اور وہ اس درجہ واضح و معلوم ہے کہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ حیوانات اس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر و عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے تاہم فطرت نے انہیں

احساس وادراک کی وہ تمام قوتیں دے دی ہیں جن کی زندگی و معیشت کے لئے ضرورت تھی اور ان کی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے' کھانے' پینے توالد وتناسل اور حفاظت و نگرانی کے تمام وظائف حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ پھر حواس وادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لئے ایک ہی طرح کی نہیں ہے بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے جتنی اور جیسی استعداد اس کے احوال و ظروف کے لئے ضروری تھی چیونٹی کی قوت شامہ نہایت دور رس ہوتی ہے' اس لئے کہ اسی قوت کے ذریعے وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے چیل اور عقاب کی نگاہ تیز ہوتی ہے کیونکہ اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہو تو بلندی میں اڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہ سکیں۔

یہ ہدایت جو حواس خمسہ کے ذریعے میسر آتی ہے اس کا ذکر قرآن مجید سمع وبصر کے حوالے سے کرتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (الشعرا' ۲۶:۲۱۲)	بے شک وہ سماعت سے محروم ہیں۔
اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل' ۱۷:۳۶)	بے شک کان اور آنکھ اور دل' ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (ملک' ۶۷:۲۳)	اور اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے کان' آنکھیں اور دل ودماغ پیدا فرمائے۔

۳۔ ہدایت عقلی

یہ عقل اور فہم وتدبر سے میسر آتی ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید قلب' عقل' فواد اور تعقل وتدبر کے الفاظ میں کرتا ہے ہر جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ	وہ تدبر اور بصیرت سے کام کیوں نہیں لیتے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ (آل عمران، ۳:۱۹۰)

بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقل سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

۴۔ ہدایت قلبی

یہ تزکیہ نفس کے ذریعے دل کی صفائی اور باطنی روشنی سے میسر آتی ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید "علم لدنی" کے الفاظ میں کرتا ہے جیساکہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف، ۱۸:۶۵)

ہم نے اسے اپنی طرف سے خصوصی رحمت عطا کی تھی اور اسے اپنی طرف سے خصوصی علم کے ساتھ نواز رکھا تھا۔

یہاں تک ہدایت اور رہنمائی کی جتنی صورتیں بھی بیان ہوئیں ظنی تھیں ان میں خطا کا احتمال رہتا ہے اس سے حاصل ہونے والا علم یقینی اور قطعی نہیں ہو سکتا۔ بے شک اس کے نتائج کتنے ہی صحیح کیوں نہ ہوں لیکن غلطی کا امکان پھر بھی باقی رہتا ہے کیونکہ ان میں انسانی کسب کو دخل حاصل ہے۔

۵۔ ہدایت ربانی (ہدایت بالوحی)

(ا) ہدایت عامہ۔ (ھدایہ الغایہ)

یہ وہ یقینی ہدایت ہے جو انبیاء کرام کو بصورت وحی عطا ہوتی ہے اور ان کے ذریعے وہ انسانوں تک پہنچائی جاتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ملتا ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا (السجدہ، ۳۲:۲۴)

اور ہم نے ان میں سے پیشوا یعنی انبیاء مبعوث کر دیئے جو انہیں ہمارے حکم کی رہنمائی عطا کرتے ہیں۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ شَآءَ

بیشک ہدایت کو گمراہی سے ممتاز کر دیا گیا،

فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (البقرہ ۲:۲۶۵)

پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرلے۔

ایک اور مقام پر اس ہدایت کا ذکر یوں کیا گیا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر ۷۶:۳)

بے شک ہم نے اسے سیدھی راہ دکھا دی ہے اب چاہے وہ مان لے یا انکار کر دے۔

یہ ہدایت تمام بنی نوع انسان کو یکساں طور پر عطا کی جاتی ہے۔ اس میں کسی کو امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ انبیاء کرام کی دعوت اسی ہدایت پر مشتمل ہوتی ہے اس لحاظ سے قرآن خود کو "ھدی للناس" کہتا ہے کہ یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے یعنی تمام انسانوں کو بلا امتیاز رنگ ونسل روشنی مہیا کرتا ہے اور ہر ایک کو جہالت وگمراہی کے اندھیروں سے نکال کر علم وہدایت کے اجالوں کی طرف لے آتا ہے یہ ہدایت ہر ایک کو زندگی کا مقصد اور منزل کا شعور عطا کرتی ہے۔ اسے ہدایت عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ب) ہدایت خاصہ (ھدایہ الطریق)

یہ ہدایت ربانی کا دوسرا درجہ ہے جو ہدایت عامہ کے بعد بالخصوص اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے جو لوگ انبیاء کی دعوت پر ایمان لانے کے بعد منزل مقصود کے حصول کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں انہیں باری تعالیٰ اس خاص ہدایت کی دولت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ یہ ہدایت اس راستے کی مفصل نشاندہی پر مبنی ہوتی ہے جو اصل منزل تک پہنچاتا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ملتا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن ۶۴:۱۱)

اور جو کوئی اللہ پر ایمان لے آئے اس کے دل کو صحیح رہنمائی عطا کر دی جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ (یونس ۱۰:۹)	اعمال کئے ان کا رب انہیں ان کے ایمان کے باعث ہدایت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ ہدایت کا وہ مقام ہے جو صرف ایمان اور اعمال صالحہ کے نتیجے میں سامنے آتا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ (البقرہ ۲:۲۱۳)	پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت دی جو ایمان لے آئے تھے۔
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت ۲۹:۶۹)	جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم یقیناً ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

یہ ہدایت عامہ سے بلند ہدایت ہے جو ہر شخص کے لئے مقرر نہیں۔ ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد ۴۷:۱۷)	اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ نے ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کر دیا۔

(ج) ہدایت الایصال

یہ وہ آخری ہدایت ہے جس میں منزل مقصود تک کامیابی و کامرانی کے ساتھ پہنچنے کی قطعی ضمانت عطا کی جاتی ہے۔ یہ ہدایت عام اہل ایمان کے لئے بھی نہیں بلکہ صرف ان مومنوں کے لئے ہے جو تقویٰ کی شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ اس میں نہ صرف منزل مقصود کی روشنی مہیا کی جاتی ہے اور نہ صرف اس کے راستے کی نشاندہی کی جاتی ہے بلکہ خیروعافیت کے ساتھ راہ حق کے مسافروں کو منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ راہنمائی کی سب سے اعلیٰ صورت ہے جس کی ضمانت سوائے قرآن کے دنیا کی کوئی اور کتاب مہیا نہیں کر سکتی اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد ۴۷:۵)	اللہ تعالیٰ نے عنقریب انہیں اپنی منزل تک پہنچائے گا اور ان کا حال سنوار دے

گا۔

اسی طرح اہل جنت اپنی منزل جنت کو پا کر کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰانَا لِهٰذَا (الاعراف ‘ ۷ : ۴۳)	تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس منزل تک پہنچا دیا۔

قرآن حکیم اپنی رہنمائی کے اس درجے کا ذکر ان الفاظ میں بھی کرتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ‘ ۱۷ : ۹)	بے شک یہ قرآن اس منزل تک رہنمائی کرتا ہے جو صحیح اور پختہ ہے اس ہدایت کے میسر آ جانے کے بعد گمراہی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

انسانی زندگی اور مختلف ذرائع علم

اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ نظام ربوبیت نے انسان کو اپنے گرد و پیش اور ماحول سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع علم وہدایت سے نوازا ہے۔ اسے سوچنے کے لئے طاقتور دماغ‘ دیکھنے کے لئے صاف شفاف آنکھیں‘ سننے کے لئے حساس کان‘ چکھنے کے لئے زبان‘ سونگھنے کے لئے ناک‘ چھونے کے لئے ہاتھ اور احساس لمس کے لئے اعصاب بخشے گئے ہیں۔ ان ذرائع علم کو عقل اور حواس کہا جاتا ہے یہ اس ذات کی عنایت ہے کہ اس نے ان ذرائع کو بالعموم ہر انسان کے لئے کھلا رکھا ہے‘ انہیں محدود اور مسدود نہیں فرمایا۔

انسان کو ذرائع علم عطا کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے کائنات میں زندگی بسر کر سکے مخلوقات اور ان کے خواص واوصاف کو جانے‘ ان کی حقیقتوں کا ادراک کرے اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف زاویوں سے غور و فکر کر سکے۔

اس مقصد کے لئے بلاتمیز رنگ ونسل‘ انسان کو جو ذرائع عطا کئے گئے ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حواس خمسہ ظاہری

۲۔ حواس خمسہ باطنی

۳۔ لطائف خمسہ قلبی

۱۔ حواس خمسہ ظاہری

حواس کی پہلی قسم حواس خمسہ ظاہری کہلاتی ہے جن کی تعداد پانچ ہے اور یہ عمر کے ساتھ ساتھ تکمیلی مراحل طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

۱۔ قوت لامسہ: چھونے کی قوت

۲۔ قوت باصرہ: دیکھنے کی قوت

۳۔ قوت سامعہ: سننے کی قوت

۴۔ قوت ذائقہ: چکھنے کی قوت

۵۔ قوت شامہ: سونگھنے کی قوت

یہ وہ پانچ ذرائع علم ہیں جن کی بدولت انسان اپنے گردوپیش اور ماحول سے اپنا ادراکی تعلق قائم کرتا ہے مگر یہ حواس صرف ظاہری دنیا (Physical World) کی حقیقتوں کو جاننے اور ان کا ادراک کرنے تک محدود رہتے ہیں یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے پر مامور ہیں قوت لامسہ کا کام کسی چیز کو چھو کر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ چیز کیسی ہے؟ نرم و گداز ہے یا سخت اور کھردری ہے لیکن اگر کوئی چیز غیرمادی جسم رکھتی ہے تو ہاتھ کوشش کے باوجود اس کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ اس طرح قوت باصرہ کا کام مرئی اشیاء کو دیکھنا اور ان کے وجود کا سراغ لگانا ہے لیکن آنکھ اسی وقت جسم کا سراغ لگا سکتی ہے جب کوئی چیز دیکھے جانے کے قابل ہو۔ اگر کوئی چیز غیرمرئی ہے تو اس کو قوت باصرہ معلوم نہیں کر سکتی۔ علیٰ ھذا القیاس قوت سامعہ کا کام آواز کا پتا لگانا ہے خوشبو یا بدبو کو قوت شامہ کے ذریعے جانا جاتا ہے مٹھاس یا کڑواہٹ کا احساس قوت ذائقہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حواس خمسہ ایک دوسرے کا بدل نہیں بن سکتے

جو چیز آنکھ کے ذریعے معلوم کی جا سکتی ہے وہ کسی اور حس کے ذریعے نہیں جانی جا سکتی۔ مثلاً کوئی شخص آپ کے قریب آکر بیٹھ جائے اور آپ آنکھیں بند کر لیں تو اپنے بقیہ چاروں حواس استعمال کرنے کے باوجود آپ کسی صورت میں بھی اس شخص کے وجود کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی قوت سامعہ مفقود ہو جائے تو وہ بقیہ چاروں حواس کو آزمانے کے باوجود آواز کا سراغ لگانے سے قاصر رہتا ہے اگر زبان ذائقے کا پتہ نہ چلا سکے تو آنکھ' ناک' کان اور ہاتھ پاؤں سلامت ہونے کے باوجود انسان مختلف ذائقوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔

حواس ظاہری کا دائرہ محدود ہے

اب ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ اور حلقہ ہوتا ہے جو اشیاء حواس ظاہری کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں انہیں ادراکات حسی کہتے ہیں جو شئے جس حاسے کے دائرہ کار میں آتی ہے اسے ہمیشہ اسی حاسے کی مدد سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگر اس حاسے کے بجائے اس پر دوسرے حواس آزمائے جائیں تو ہزاروں کوششوں کے باوجود اس چیز کی صحیح ماہیت اور ہیئت کا ادراک ناممکن ہوتا ہے۔

آواز کو کان کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ سمجھ میں آ سکتی ہے رنگوں کو آنکھوں کے ترازو میں تولا جائے تو ان میں امتیاز کیا جا سکتا ہے خوشبو کو قوت شامہ کے ذریعے معلوم کیا جائے تو وہ انسانی ادراک میں آ سکتی ہے' لیکن مذکورہ بالا حواس کے علاوہ اسی چیز کو کسی دوسرے حاسے کی مدد سے جاننے کی کوشش بیکار ثابت ہو گی۔ طے یہ پایا کہ اگر کوئی وجود دنیا میں موجود ہے مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہیں تو پھر باقی سارے حواس آزمانے کے باوجود اس وجود کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک لطیف تمثیل

مولانا رومؒ نے اس بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے بڑی عمدہ مثال دی ہے

فرماتے ہیں۔ کسی جگہ پانچ اندھے تھے انہوں نے ساری زندگی ہاتھی کو نہیں دیکھا تھا' ایک مرتبہ ہاتھی کو ان کے سامنے لا کھڑا کر دیا گیا اور ہر ایک سے کہا گیا کہ باری باری ہاتھ سے چھو کر بتاؤ کہ ہاتھی مجموعی طور پر کیسا ہوتا ہے ہر ایک نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے اس ہاتھی کو جاننے کی کوشش کی چنانچہ اس کوشش کے نتیجے میں ایک نابینا کا ہاتھ ہاتھی کے پیٹ پر پڑا اس نے کہا ہاتھی تو دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ ایک نابینا نے اپنا ہاتھ ہاتھی کی ٹانگوں پر رکھا تو اس نے خیال کیا کہ ہاتھی تو ستونوں کی طرح ہوتا ہے۔ ایک نے ہاتھی کے کان کو ٹٹولا تو اس نے گمان کیا کہ ہاتھی تو پنکھے کی طرح ہوتا ہے اسی طرح نے سونڈ پر ہاتھ لگایا تو اس نے کہا کہ ہاتھ تو رسے کی مانند ہوتا ہے۔

الغرض پانچوں نابینا اپنے تمام تر حواس آزمانے کے باوجود اتنے بڑے وجود (ہاتھی) کے صحیح ادراک سے قاصر رہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ جس حاسے کی مدد سے اس وجود کو جانا جا سکتا تھا' یہ لوگ اس سے محروم تھے اور اس کی عدم موجودگی میں دوسرے تمام حواس آزمانے کے باوجود انہیں ہاتھی کی شکل و صورت معلوم نہ ہو سکی اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

اولاً: حواس خمسہ ظاہری صرف دنیا کی اشیاء (Physical World) کا ادراک کر سکتے ہیں جس میں مادہ بھی شامل ہے اور توانائی بھی۔

ثانیاً: ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے جو چیز اس دائرے میں آ جائے وہ حس فقط اسی کو محسوس کر سکتی ہے لیکن جو چیز اس حس کے دائرے سے باہر ہو اس چیز کا صحیح ادراک تمام حواس مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

انسانی جسم میں عقل کا کردار

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر پانچوں حواس درست اور سلامت ہوں لیکن انہیں عقل کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو یہ پانچوں حواس کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے حاصل شدہ مواد خام مال (Raw material) یا ادراک (Perception) تو کہہ سکتے ہیں' علم

(Knowledge) ہرگز نہیں قرار دے سکتے یہ ادراک اور یہ احساس اس وقت علم کا روپ اختیار کرتا ہے جب آنکھوں کی بصارت' کانوں کی سماعت' ہاتھوں کے لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہو اور عقل اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جستجو کو خاص نہج عطا کر دے اور اس ادراک کو منظم کر دے۔

انسانی جسم کے جس حصے میں یہ عمل تکمیل پذیر ہوتا ہے' اسے دماغ کہتے ہیں' اللہ رب العزت نے بذات خود عقل کو ایک بہت بڑا کارخانہ (Factory) بنا دیا ہے۔

جس طرح حواس ظاہری کے پانچ الگ الگ حصے تھے اسی طرح عقل کے بھی پانچ الگ الگ گوشے ہیں عقل کے یہ تمام حصے نہایت نظم و ضبط اور باہمی افہام و تفہیم سے کام کرتے ہیں' حواس خمسہ ظاہری جو کچھ محسوس کرتے ہیں اس کے تاثرات جوں کے توں دماغ تک پہنچا دیتے ہیں۔ عقل اپنے پانچوں شعبوں کی مدد سے ان تاثرات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ کان نے کیا سنا؟ ہاتھوں نے کیا چھوا' زبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حواس کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے' ان محسوسات کو سمجھنا نہیں۔ کان بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے آنکھ بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے ہاتھ اور زبان خود یہ نہیں بتا سکتے کہ فلاں چیز نرم ہے یا سخت' میٹھی ہے یا کڑوی' آخری فیصلہ عقل انسانی صادر کرتی ہے حواس خمسہ نہیں گویا علم کی آخری صورت گری عقل سے ہوتی ہے حواس خمسہ سے نہیں۔

انسانی حواس کی بے بسی

حواس ظاہری کا دائرہ کار پہلے ہی صرف مادی اور طبیعی دنیا (Physical World) تک محدود تھا' غیر مادی اشیاء کا ادراک حواس ظاہری کے ذریعے ناممکن تھا' یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقل انسانی منظم اور مربوط نہ کرے تو حواس خمسہ کے یہ تمام تاثرات علم کا روپ نہیں دھار سکتے۔

۲۔ حواس خمسہ باطنی

جس طرح محسوسات ظاہری کے لئے قدرت نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں اسی طرح عقل انسانی میں بھی پانچ مدرکات پیدا کئے گئے ہیں جنہیں حواس خمسہ باطنی کہا جاتا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حس مشترک: انسانی عقل کا یہ گوشہ حواس ظاہری کے تاثرات کو وصول کرتا ہے۔ حواس کے اولین تاثرات اس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں مثلاً جب ہم اپنی آنکھ سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو انسانی عقل کے اس حصے پر اس کی تصویر مرتسم ہو جاتی ہے اسی لئے اسے لوح النفس بھی کہتے ہیں۔

۲۔ حس خیال: حس خیال کا کام یہ ہے کہ مدرکات اور محسوسات کی جو تصاویر اور شکلیں حس مشترک میں پہنچتی ہیں، حس خیال ان کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کرلیتی ہے۔ مثلاً جب ہم لفظ "میں" بولتے ہیں، تو اس لفظ کی ظاہری صورت یعنی "میم، ی" اور "نون غنہ" ہے۔ چنانچہ اس کے ظاہر کا یہ تاثر حس مشترک پر منعکس ہوتا ہے اور یہ تاثر بصورت تصویر حس خیال میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳۔ حس واہمہ: جس طرح محسوسات کی ظاہری شکل و صورت کو حس مشترک نے حواس ظاہری سے وصول کیا تھا اور حس خیال نے اسے اپنے حافظے میں محفوظ کرلیا تھا، اسی طرح حس واہمہ مدرکات حسی کے مفہوم و معنی یعنی ان کی باطنی شکل و صورت کا ادراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لئے ان تاثرات کو اس سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے جسے حافظہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ حس حافظہ: یہاں محسوسات کے مفہوم یعنی معنوی وجود کو اس طرح سے محفوظ کیا جاتا ہے جس طرح ان کی ظاہری شکل کو حس خیال میں محفوظ کیا گیا تھا۔

۵۔ حس متصرفہ: پانچویں اور آخری باطنی حس متصرفہ کہلاتی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حس مشترک میں آنے والی ظاہری صورت کو قوت واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حسن خیال میں محفوظ شکل وصورت کو قوت حافظہ میں محفوظ مفہوم کے

ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر ان کا مفہوم سمجھنے' مختلف رنگ دیکھ کر ان میں تمیز کرنے اور مختلف ذائقے چکھ کر ان میں فرق معلوم کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک خاص نقطے تک پہنچتے ہیں جسے علم کہا جاتا ہے۔ یہاں ادراک علم میں بدل جاتا ہے۔ اگر یہاں حس مشترک موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس بے بس ہو کر رہ جائیں۔ اس طرح اگر ان میں حس واہمہ صحیح نہ ہو' تو آپ سب کچھ دیکھیں گے لیکن جان کچھ نہ سکیں گے۔ آواز تو سنائی دے گی مگر اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ چیز کو ہاتھوں سے چھوا تو جا رہا ہو گا مگر نرم اور سخت چیزوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جا سکے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حواس ظاہری علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے حواس باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواس ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواس باطنی سے گزر کر ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں اس وقت تک حواس ظاہری کے ذریعے محسوس کئے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔ گویا حواس ظاہری کسی شئے کو محسوس تو کرتے ہیں' اسے معلوم نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف عقل اور اس کے حواس باطنی مکمل طور پر حواس ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے' کان سننے سے' ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ لٰہذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔

اگر کسی بچے کی پیدائش کے بعد ایسے مقام پر پرورش کی جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں نہ پڑنے پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کا ہو جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا۔ وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں یہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے ان آوازوں کا جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظے میں محفوظ کر لیا۔ جب یہ شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ' حروف' لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی تو جس طرح اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا اسی طرح اس شخص کو اپنی کیفیات حاجات اور

خواہشات کے بیان پر بھی قدرت حاصل نہ ہو سکی۔

اب یہ طے پا گیا کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جو حقیقت آپ کی باصرہ' سامعہ' لامسہ' ذائقہ اور شامہ قوتوں کی دسترس سے باہر ہو' اس کا ادراک' عقل بھی نہیں کر سکتی۔ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضو معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے کے سارے حواس عبث وبیکار ہیں۔ پس انسان کو جو ذرائع عطا کئے گئے ہیں' وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لئے حواس خمسہ اور عقل کی فعالیت کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات تشنہ طلب رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آغاز کائنات کیسے ہوا اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہو گا؟ اس کائنات سے اس کا تعلق کیا ہے؟ اس کائنات میں زندگی گزارنے کے لئے کون سے قانون کی پاسداری کی جائے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری؟ ظلم کیا اور انصاف کیا؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے؟ اگر وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے تو اس نظام زندگی کا مفہوم کیا ہوا اور اگر مرنے کے بعد نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد اس سے کوئی جواب طلبی بھی ہو گی یا نہیں۔

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس' اگر انسانی زندگی بامقصد ہے تو انسان کو ان سوالات کا تسلی بخش جواب چاہئے۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لئے اپنی آنکھوں کی طرف رجوع کرتا ہے وہ جواب دیتی ہیں کہ ہم تو خود تیرے باعث معرض وجود میں آئی ہیں' ہم تیری تخلیق سے پہلے کا حال کیونکر جان سکتی ہیں۔ انسان اپنے کانوں سے پوچھتا ہے تو کان گویا ہوتے ہیں کہ ہمارا وجود خود تیری ہستی کا رہین منت ہے' جو اشیاء ہمارے دائرۂ ادراک سے ماوراء ہیں' ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں۔ انسان اپنی قوت شامہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ جواب دیتی ہے کہ یہ حقائق سونگھنے سے معلوم نہیں ہوتے' میں ان سوالات کا جواب کس طرح دوں۔ انسان اپنی قوت ذائقہ سے پوچھتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ان ماورائی حقیقتوں کو چکھا نہیں جا سکتا' میں بھی

مجبور ہوں۔ پھر انسان اپنی قوت لامسہ سے سوال کرتا ہے تو وہ جواب دیتی ہیں، میں ان احوال کو چھو نہیں سکتی، ان کی نسبت کیا بتاؤں۔ الغرض انسان نے حواس خمسہ میں سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دی، ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے آنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حقائق کوئی آواز نہیں کہ ہم سن کر بتا سکیں، کوئی رنگ نہیں کہ دیکھ کر جواب دے سکیں، مادی اجسام نہیں کہ چھو کر فیصلہ صادر کر سکیں، اس طرح انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے اور جب یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اخلاقی، روحانی اعتقادی و نظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے، پانچوں حواس کی زد سے ماوراء ہیں تب انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے، اے میرے وجود کے لئے سرمایہ افتخار چیز میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق مجھے تمام حواس نے مایوس کر دیا، اب تو ہی اس سلسلے میں میری راہنمائی کر مگر عقل بھی اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے، اے انسان میں تو تیرے حواس کی محتاج ہوں جو چیز حواس کے ادراک میں نہیں آ سکتی، اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کر سکتی ہوں، اگر حواس خاموش ہیں تو مجھے بھی بے بس و مجبور سمجھ۔

رب العزت نے انسان کو ذریعۂ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ عطا کیا ہے جسے وجدان کہتے ہیں۔

۳۔ انسانی قلب کے لطائف

انسانی قلب کے بھی پانچ لطائف ہیں جن کو لطائف خمسہ کہتے ہیں۔

۱۔ لطیفہ قلب

۲۔ لطیفہ روح

۳۔ لطیفہ سر

۴۔ لطیفہ خفی

۵۔ لطیفہ اخفی

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے۔ حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں' روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے جو حواس و عقل کی زد میں نہیں آ سکتے لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی طبیعی کائنات تک محدود ہے۔ امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں:

ووراء العقل طور اخر تنفتح فيه عين اخرى فيبصر بها الغيب وما سيكون في المستقبل واموراً اخر العقل معزول عنها

(المنقذ من الضلال: ۵۴)

اور عقل کے بعد ایک اور ذریعہ ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اس کے ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جاتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہوتی ہے۔

لیکن وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی وسعتوں سے ماوراء ہیں جو خدا کی ذات وصفات سے متعلق ہیں اور انسانی تخلیق اور اس کے مقصد تخلیق نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھتے ہیں' ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم نہ تو حواس دے سکتے ہیں' نہ عقل اور نہ ہی وجدان' انسان نے یک بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی' ان میں سے ایک ایک کو پکارا مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیت اور قطعیت نہ دے سکا۔ اب انسان خدا کی ذات کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ:

اے رب کائنات! میں خود اپنی ذات' اس کائنات اور تیری ذات کو یقینی طور پر سمجھنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کر سکے۔ اس لئے اس کائنات میں میرے لئے علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے' علم کا کوئی ایسا منبع تخلیق کر دے' جو مجھے ان حقائق کے بارے میں حقیقی آگاہی بخش سکے۔ جہاں تمام حواس ناکام ہو جائیں' وہاں اسے پکارا جا سکے' جہاں انسانی عقل خیرہ ہو جائے وہاں اس سے مدد کی درخواست کی جا سکے' جہاں انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے وہاں اس سرچشمہ علم سے فیضان کی بھیک مانگی جائے۔

انسانی بے بسی اور علم نبوت کا فقدان

انسان جب پوری طرح اپنی علمی بے بسی اور فکری کم مائیگی کا اعتراف کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ندا آتی ہے۔ اے انسان! تو نے اپنے علم اور اپنے ذرائع کی بے بسی کا اعتراف کر لیا۔ ہم تجھے یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ تو کہیں اپنے حواس و عقل اور کشف و وجدان کی بدولت یہ تصور نہ کر بیٹھے کہ میرا علم درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تیرا علم ابھی کائنات کی حقیقتوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ اسی نے قرآن مجید میں روح کی حقیقت پر بحث کے دوران میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا　　اور تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا۔

(الاسراء' ۱۷:۸۵)

تجھے جس سرچشمہ علم کی تلاش تھی وہ ہم نے نظام نبوت و رسالت کی صورت میں اس کائنات میں قائم کر دیا ہے جا دروازہ نبوت پر دستک دے' اسی چوکھٹ سے رہنمائی طلب کر۔ علم نبوت کے فیضان سے یہ تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی' چنانچہ علم نبوت اور ہدایت ربانی نے بالآخر انسان پر وہ احسان کیا ہے کہ اس سے اس کے شعوری' علمی اور فکری ارتقاء کا سفر اپنی منزل مقصود تک جا پہنچا' یہ سب کچھ ربوبیت الٰہیہ کا پرتو تھا جس نے انسانی کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی شعوری اور فکری و علمی نشوونما کا بھی سامان مہیا کر دیا ورنہ وہ ہمیشہ ہمیشہ حقیقت مطلقہ سے لاعلمی اور جہالت کا شکار رہتا' اسی رب کریم کی شان ربوبیت نے اسے سنبھالا دیا اور اس کا فکر و شعور اپنے ساحل مراد تک پہنچنے کے قابل ہوا۔ اس آخری ہدایت کے بغیر انسان فکر و شعور

۱۔ حسیت　۲۔ عقلیت اور ۳۔ تشکیک کے بھنوروں سے نکل کر بالآخر
۴۔ لاادریت کے دامن میں اعتراف ناکامی کر کے ستانے لگا تھا اور اس امر کا برملا اعلان کر رہا تھا کہ انسان حقیقت علیا (Ultimate Reality) کو نہیں جان سکتا اور حسن مطلق (Absolute Reality) کی جلوہ ریزیوں سے شاد کام نہیں ہو سکتا کہ اسے یکایک ندا سنائی دی "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" (اللہ کی رحمت سے

مایوس نہ ہو) تمہاری جبلی، طبعی، حسی، عقلی اور قلبی و جدانی استعدادوں نے تمہیں جواب دیا ہے، رب نے تو نہیں دیا؟ آ! ہم تجھ پر ہدایت کا ایک اور دروازہ کھولتے ہیں اور وہ ہے "در نبوت"۔ اس کی دہلیز پر سر تسلیم خم کر، وحی الٰہی کے نور علم سے تجھے اس طرح منور کر دیا جائے گا کہ تیرے فکر و شعور کی ساری منزلیں قیامت تک اسی روشنی میں طے ہوتی رہیں گی۔ اس فیضان نبوت کے ذریعے تیری تمام مایوسیاں ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائیں گی۔ پھر تیرا فکری اور شعوری ارتقاء اس علم بالوحی کی روشنی میں ہمیشہ صحیح سمت میں اس طرح جاری رہے گا کہ اس پر کبھی تعطل نہ آسکے گا۔

حصہ دوم

تخلیقِ کائنات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کے سائنسی مطالعہ کی حکمت

قرآن مجید باری تعالیٰ کی شان ربوبیت اور اس کی قدرتوں کے مشاہدے کے لئے دو عالموں کا ذکر کرتا ہے۔ عالم انفس اور عالم آفاق۔ عالم انفس کا ذکر ہم چند ضروری گوشوں کے حوالے سے پہلے کر چکے ہیں کہ کس طرح انسانی وجود کی داخلی کائنات میں نظام ربوبیت کے مظاہر جلوہ نما ہیں۔ اب ہم تخلیق ربانی کی تدریجی شانوں اور ربوبیت الٰیہ کے ظہور کے ارتقائی نظاروں کا جائزہ عالم آفاق یعنی اس خارجی کائنات (Physical World) کے حوالے سے لیتے ہیں کہ اس کی تخلیق و تکمیل کس طرح عمل میں آئی یہ سلسلہ کن کن مراحل اور مدارج سے گزرا اور موجودہ سائنس کہاں تک اس کی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں ہم اس حقیقت کو دوبارہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ نہ تو ہم آیات قرآنی کے معنی و مفہوم کو عصر حاضر کی سائنسی تحقیقات و اکتشافات کی مطابقت میں تکلفاً بدلنے کو جائز سمجھتے ہیں اور نہ قرآن مجید کی ان سائنسی بصیرات و تشریحات کو حتمی قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ سائنس خود ہمہ وقت معرض ارتقاء اور معرض تغیر میں ہے اس میں حتمیت و قطعیت (Finality) کا تناسب بہت کم ہے اس کے نظریات اور تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔ مگر قرآن مجید کے احکام و فرمودات حتمی اور ناقابل تغیر ہیں۔ دور جدید کے سائنسی علوم کے حوالے سے بعض مقامات قرآنی کے جائزے کی ہمارے نزدیک دو وجوہ ہیں اور یہی ہمارے پیش نظر ہیں۔

۱۔ قرآن مجید ایک ایسا سرچشمہ علم ہے جو ہمہ پہلو اور ہمہ جہت ہے۔ شان جامعیت اس کا ایک ایسا مسلمہ اعجاز ہے جو کسی اور الہامی کتاب کو اس انداز کے ساتھ نہیں مل سکا۔ اس لئے اسے سمجھنے، اس کے معارف و اسرار کو جاننے اور اس کے معانی و اشارات کو پانے کی کوشش بھی ہمہ پہلو اور ہمہ جہت ہونی چاہئیں تاکہ قرآن مجید کی علمی عظمت و وسعت کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے سمجھا جا سکے۔ عصر حاضر میں چونکہ سائنس انسانی

علوم وفنون کا نقطہ کمال ہے اور باوجود تحقیقات واکتشافات کے باب میں خطاء وصواب کے امکانات کے اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس علمی وفنی نقطہ نظر سے بھی جب قرآن مجید کے احکامات وارشادات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو تقویت ایمان کے ہزاروں نئے دروازے کھل جاتے ہیں اور آخر ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ کوشش بھی فہم قرآن کے ضمن میں تعقل وتفکر اور تدبر فی القرآن کے احکامات ہی کی تعمیل ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے عقائد واعمال اور قلوب واحوال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عالم انفس اور عالم آفاق سے متعلق کچھ بنیادی اور اصولی نوعیت کی ہدایات بھی عطا فرمائی ہیں جن میں کئی حیاتیاتی اور طبیعی حقائق بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کا مقصود ان سائنسی اصولوں کو بیان کرنا نہ تھا اور نہ ہی اس غرض سے اس کا نزول ہوا۔ مگر بر سبیل تذکرہ ایسے متعدد حقائق بیان کر دیئے گئے جن کی حقانیت وصداقت کو دور جدید کی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے خوب پرکھا جا سکتا ہے یاد رہے کہ قرآن حکیم میں ان حقائق کا بیان ہونا محض ایک اتفاق ہی نہیں بلکہ ایسے ذکر کی حکمت وغایت یہی تھی کہ وہ انفسی وکائناتی حقائق جنہیں اس قدر ترقی یافتہ سائنسی دور سے پہلے جاننا گویا انسانی استعداد کے لئے ناممکن تھا اگر قرآن نے عین صحت وقطعیت کے ساتھ جدید سائنسی دور سے صدیوں پہلے بیان کر دیئے ہیں جنہیں تم آج بھی اچھی طرح جان پرکھ سکتے ہو تو پھر اس معروضی، تنقیدی اور تجزیاتی شہادت کے مل جانے کے بعد تمہیں قرآن کی بقیہ تعلیمات کو بھی قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کا سائنسی مطالعہ عصر حاضر کی نہ صرف علمی بلکہ ایمانی ضرورت بھی بن چکا ہے مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ سائنس چونکہ خود ایک ظنی علم ہے اور اس میں تناسب امکان (Degree of Probability) خاصی زیادہ ہے اس لئے آیات قرآنی کی تمام سائنسی تعبیرات کو معنی قرآن کے حوالے سے ہمیشہ حتمی وقطعی قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ اس میں اختلاف نتائج اور اختلاف تعبیر کی گنجائش اسی طرح تسلیم کرتے رہنا

چاہئے جیسے دیگر فلسفیانہ، عقلی، منطقی، نحوی، ادبی، کلامی اور اشاری تغیرات و تعبیرات میں تسلیم کی جاتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اور معنوی تنوع صرف تعبیر میں ہو گا نص میں نہیں۔

نظام ربوبیت اور کائنات کا طبعی ارتقاء

تخلیق کائنات کے چھ ادوار:

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جملہ کائنات کی تشکیل و تعبیر کا سلسلہ چھ ادوار میں سے گزرا ہے جنہیں چھ ادوار تخلیق (Six periods of Creation) کا نام جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
(یونس، ۱۰:۳)

بیشک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمان اور زمین (کائنات پست و بالا) کو چھ دنوں (ادوار) میں بنایا۔

۲۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
(السجدہ، ۳۲:۴)

اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

۳۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ

اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین (یعنی بالائی اور زیریں کائنات) کی حکومت ہے۔ (سب اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے) وہی جلاتا اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِی سِتَّۃِ اَیَّامٍ ۝ مارتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی (سب سے) پہلا اور (سب سے) آخر اور (قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے اور وہ ہر سب کچھ خوب جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں (تدریجاً مختلف منازل اور ادوار میں پیدا کیا)

(الحدید، ۵۷:۱۔۴)

ان آیات میں ہر مقام پر چھ ایام (ادوار) میں تخلیق کائنات کے ذکر کے بعد ایک بات مزید ارشاد فرمائی گئی ہے جس کا بیان ہم ترتیب سے کرتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ
(یونس، ۱۰:۳)

پھر وہ اپنے تخت قدرت پر جلوہ افروز ہوا (اور) وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے (یعنی کائنات کے پورے نظام کو اپنے حکم سے منظم فرماتا ہے)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ
(السجدہ، ۳۲:۴۔۵)

پھر وہ (اپنے) تخت حکومت وقدرت پر
پھر وہ (اپنے) تخت حکومت وقدرت پر
جلوہ افروز ہوا۔ (اور) وہی آسمان سے زمین تک (اوپر سے نیچے) ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے۔

سورۃ الحدید کی بیان کردہ آیات کے بعد بھی اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تخلیق کائنات اور آٹھ قرآنی اصول

ان ارشادات قرآنی سے ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

۱۔ کائنات از خود معرض وجود میں نہیں آئی اسے باری تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے یعنی اس کی تخلیق اتفاقیہ (By Chance) نہیں بلکہ ایک خالق (Creator) کے

ارادے اور فعل خلق کا نتیجہ ہے۔
۲۔ کائنات کی تخلیق کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زیریں، بالائی اور وسطانی یعنی زمینی، آسمانی اور خلائی۔

i- Earthly Creation

ii- Heavenly Creation

iii- Intermediary Creation

جیساکہ سورہ السجدہ میں مذکور ہے **"خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا"** (اس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے تخلیق فرمایا) یہی مضمون سورۃ نمبر ۶:۲۰، ۲۵:۵۹، ۴:۳۲، ۵۰:۳۸، ۲۱:۱۶، ۴۴:۷ اور ۳۸، ۷۸: ۳۷، ۱۵:۸۵، ۴۶:۳ اور ۴۳:۸۵ میں بھی بیان ہوا ہے ارض و سما کے درمیان عالم خلق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے دو جدید کی سائنسی تحقیقات کے مطابق (Cosmic Extra galactic World) کی طرف توجہ کرنا اشد ضروری ہے جس میں Stars Galaxies اور Planetary systems شامل ہیں۔

۳۔ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی متعدد ہیں۔ اگر سات کا عدد آسمانوں (بالائی طبقات) کے لئے محض تعداد اور کثرت (Plurality) کے معنی میں تصور کیا جائے تو زمین کی طرح کے اور طبقات اور سیارگان بھی متعدد معلوم ہوتے ہیں اور اگر سات کے عدد کو خاص اور معین تصور کیا جائے تو زمین سے بالکل ملتے جلتے سات طبقے یا سیارے ثابت ہوتے ہیں اس دوسرے مفہوم کے اعتبار سے سائنس کو ابھی تحقیق واکتشافات کے مزید کئی مرحلوں سے گزرنا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید نے یہ اشارہ اس آیت کریمہ میں فرما دیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق، ۶۵:۱۲)	اللہ وہی ہے جس نے سات آسمانوں اور ان ہی کی طرح (سات) زمینیں پیدا کیں۔

اس امر کی تصریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی ﷺ سے

بھی ہوتی ہے جسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (المظہری ۹: ۳۳۲)

۴۔ کائنات ارض و سماء کی تخلیق تدریجاً عمل میں آئی۔

۵۔ کائنات کی تخلیق کا تدریجی عمل

(Evolutionery process of the creation)

چھ ایام (ادوار) پر مشتمل ہے۔

۶۔ کائنات ارض و سماء کے جملہ امور ایک باقاعدہ نظام کے تابع ہیں جو باری تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے قائم اور رواں دواں ہے۔

۷۔ اس کی تدبیر (Divine Planning) کائنات کے پورے نظام کو ایک مقصد اور نظم کے تحت مربوط اور منظم کرتی ہے جس کے نتیجے میں جملہ امور اس طرح انجام پاتے ہیں کہ کوئی وجود اس ضابطہ قدرت سے انحراف نہیں کر سکتا۔

۸۔ کسی چیز کا زمین میں داخل ہونا اس میں سے خارج ہونا' نیچے سے اوپر جانا' اوپر سے نیچے اترنا' کسی کا باقی رہنا اور ختم ہو جانا۔ الغرض یہ سب کچھ اسی کے قائم کردہ نظام اور اس کے جاری کردہ قوانین کے مطابق ہے۔

چھ ایام سے کیا مراد ہے؟

ان تمام نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے ہیں قرآن مجید ہی سے اس امر کو متعین کرنا ہے کہ کائنات ارض و سماء کی تدریجی تخلیق کے ضمن میں جن چھ ایام کا ذکر آیا ہے ان سے مراد کیا ہے۔ اگر یہ گمان کیا جائے کہ یہاں یوم سے مراد وہی دن ہے جو سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ قائم ہے اور چھ ایام سے مراد ہفتہ سے جمعہ تک کے معروف دن ہی ہیں، تو یہ درست نہیں اس لئے کہ بات زمین اور آسمان اور ان کے مابین ساری کائنات کی تخلیق سے متعلق ہو رہی ہے جس میں سورج چاند اور زمین وغیرہ کی اپنی تخلیق بھی شامل ہے صاف ظاہر ہے جب سورج' چاند اور زمین کی تخلیق خود عمل میں نہیں آئی تھی تو طلوع و غروب آفتاب کا نظام کہاں موجود تھا اور جب سورج کے طلوع و غروب کا نظام ابھی معرض عمل میں نہیں آیا تھا تو ہمارے حساب کے مطابق

معروف معنوں میں دنوں اور ہفتوں کی گنتی کا بھی کوئی تصور نہ تھا۔ بنابریں جب کائنات ارض وسما کے اس سلسلہ تخلیق کی مدت کو معروف معنی میں 24/24 گھنٹوں پر مشتمل چھ دنوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھ ایام سے مراد کیا ہے؟ جواب بالکل واضح ہے کہ یوم سے مراد ایک دور (Period/Era) ہے جو ایک غیر معینہ طویل مدت (A Long span of time) پر مبنی ہے اور ستہ ایام سے مراد چھ ادوار تخلیق (Six periods of creation) ہیں۔

قرآن مجید نے بھی یوم کے لفظ کو مختلف طویل مدتوں کے بیان کے لئے استعمال کیا ہے ارشاد ایزدی ہے۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجدہ ۳۲:۵)

وہی آسمان سے زمین پر ہر کام کی تدبیر فرماتا (یعنی کائنات پست و بالا کا سارا نظام اس کے امر کے تابع چلتا ہے) پھر یہ (درجہ بدرجہ) اس کے پاس پہنچ جائے گا ایک ایسے دن میں جو تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کا ہو گا۔

اس آیت کریمہ میں ہمارے نظام شمسی کے حساب کے مطابق ایک ہزار سال کی مدت کو ایک یوم سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر پچاس ہزار سال کی مدت کے لئے یوم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۷۰:۴)

(یہ وہ وقت ہو گا جب) فرشتے اور جبرئیل اس کی طرف عروج کریں گے (اور یہ عذاب) اس دن ہو گا جس کا اندازہ (دنیا کے) پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) سال کا ہے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ امر طے پا گیا کہ تخلیق ارض و سماء کے ذکر میں جن چھ ایام کا بیان ہوا ہے ان سے مراد چوبیس گھنٹوں کی مدت پر مشتمل ایام نہیں بلکہ خود قرآنی تصور یوم کے تحت غیر محدود طوالت پر مبنی مدت کا ایک دور (Period) ہے جو لاکھوں کروڑوں اربوں برس پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید نے اس یوم کے

لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں فرمائی۔ جب ایک جگہ ہزار اور دوسری جگہ پچاس ہزار سال کو یوم قرار دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ اسی لفظ یوم کا اطلاق کئی لاکھ اور کروڑ برس پر بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال چھ ایام سے مراد تخلیق کائنات کے چھ ادوار (Sex periods of creation) ہیں۔

ہمارے اس موقف کی تائید مفسرین میں سے امام ابوالسعود العمادی ۹۵۱ھ نے بھی کی ہے۔ سورہ یونس '۱۰: ۳ کے تحت لکھتے ہیں۔

فی ستہ ایام۔ ای فی ستہ اوقات فان النفس الیوم الذی ھو عبارۃ عن زمان کون الشمس فوق الارض مما لایتصور تحققہ حین لاارض ولاسماء (تفسیر ابی السعود '۲: ۱۱۸)

چھ دنوں میں۔ یعنی چھ اوقات وادوار میں کیونکہ وہ دن جو سورج کے زمین پر طلوع ہونے سے عبارت ہے۔ اس کا تحقق ہی ممکن نہیں کیونکہ اس وقت زمین و آسمان موجود ہی نہ تھے۔

صاف ظاہر ہے ایسی صورت میں یوم سے مراد کوئی مدت اور زمانہ ہی لیا جائے گا۔ امام راغب اصفہانیؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الیوم یعبر بہ عن وقت طلوع الشمس الی غروبھا وقد یعبر بہ عن مدۃ من الزمان ای مدۃ کانت (المفردات: ۵۵۳)

یوم سے مراد ایک تو سورج کے طلوع سے غروب تک کا وقت ہے اور دوسرے اس سے مراد کسی بھی زمانے پر مشتمل مدت ہے خواہ وہ جتنی بھی ہو۔

علامہ آلوسیؒ سورہ یونس کی آیت میں "ستہ ایام" کے تحت فرماتے ہیں:

ولایمکن ان یراد بالیوم الیوم المعروف لانہ کما قیل عبارۃ عن کون الشمس فوق الارض وھو مما لایتصور تحققہ حین لاارض ولاسماء (روح المعانی '۱۱: ۶۴)

یہاں یوم سے مراد معروف معنی میں دن نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جیسا کہ کہا جاتا ہے زمین پر سورج کے طلوع ہونے سے عبارت ہے اور وہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان (اور نہ طلوع آفتاب کا کوئی تصور)

[illegible]

تصور تخلیق کے عناصر اربعہ

قرآن مجید نے کائنات [illegible] تخلیق [illegible]

[illegible]

۱۔ تخلیق کائنات کا آغاز ایک تخلیقی وحدت [illegible]
سے ہوا اور بعد ازاں اس کی تقسیم کی گئی۔

۲۔ ابتدائے تخلیق میں دخانی حالت (Gaseous State) موجود تھی۔

۳۔ زمینی زندگی کا آغاز پانی سے ہوا۔

۴۔ چھ ادوار تخلیق میں زمینی زندگی کے ارتقاء کا چار ادوار پر مشتمل ہونا۔

۱۔ تخلیق کائنات کا آغاز ایک تخلیقی وحدت سے ہوا (قرآن اور جدید سائنس)

تصور تخلیق کے عناصر اربعہ میں سے پہلا عنصر یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا آغاز ابتداء ایک تخلیقی وحدت Primary Single Mass سے ہوا۔ قرآن مجید کا عطا کردہ تصور یہ ہے کہ کائنات کے بالائی اور زیریں حصے (زمین و آسمان) سب کچھ ایک وحدت (Unique Mass) کی طرح باہم پیوست تھے یعنی ایک بلاک (Block) کی طرح تھے۔ بالآخر اسی تخلیقی وحدت کو پھوڑا گیا اور مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا جدا ہو گئے۔

اسی طرح مادی کائنات کے مختلف حصے وجود میں آئے اور اس میں توسیع ہوتی چلی گئی قرآن مجید اس سلسلے میں بیان کرتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا

(الانبیاء ۲۱:۳۰)

کیا کافروں نے اس بات پر نظر نہیں کی (یعنی غور نہیں کیا) کہ کائنات کے سماوی بالائی اور ارضی زیریں طبقات ایک دوسرے کے ساتھ ایک وحدت کی طرح پیوستہ تھے پھر ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں دو الفاظ قابل توجہ ہیں۔

رتق اور فتق

رتق کا معنی ضم التحام ہے یعنی ایک وحدت (Unit) بن جانا۔ اسے انگریزی زبان میں

"Fusing and binding together to make a homogenous whole"

کہتے ہیں۔

اسی طرح فتق اس کا عکس ہے۔ اس کا معنی ہے **الفصل بین المتصلین**' جڑے ہوئے وجودوں کو پھوڑ دینا اور انہیں علیحدہ علیحدہ کر دینا۔ اسے انگریزی میں

"Action of breaking diffusing and separating"

کہتے ہیں۔

قرآن مجید نے تخلیق کائنات کی نسبت اس اصولی تصور کو چودہ صدیاں (۱۴۰۰ سو سال) پہلے بیان کر دیا تھا اور اہل فکر و دانش کو اس تخلیق کے نظام (Process) میں غور و خوض کرنے کی دعوت بھی دے دی گئی تھی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران ۳:۱۹۱)

کائنات سماوی و ارضی کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

مگر سائنسی تحقیق نے مدتوں کے بعد نیا رخ آج قرآنی حقیقتوں کی طرف موڑا ہے اور تصور تخلیق کائنات کے باب میں اسی نتیجے کی طرف بڑھ رہی ہے جسے قرآن

واشگاف لفظوں میں بہت پہلے بیان کر چکا ہے۔ جدید سائنس میں (Astronomy) اور (Modern Cosmology) کی تحقیقات نے (Big Bang Theory) کی شکل میں قرآنی بیان کی تصدیق کی ہے۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ نیوٹن (Newton) نے ۱۶۶۷ء میں ایک ہمہ گیر کائناتی کشش کا تصور (Concept of Universal Gravitation) دیا اور کائنات کی نسبت یہ نظریہ دیا کہ یہ ساکن Static اور غیر متغیر (Un-Changing) ہے۔ بعد ازاں آئن سٹائن (Einstein) نے ۱۹۱۵ء میں نظریہ اضافت (Theory of Relativity) دیا۔ جس نے مادے، توانائی کشش، زمان اور مکان (Matter, Energy, Gravity, Space and Time) کے درمیان باہمی تعلق کو واضح کیا اور نیوٹن کے دیئے ہوئے ساکن کائنات (Static Universe) کے تصور کو رد کیا۔ مگر یہ بھی تخلیق کائنات کی نسبت کوئی نیا تصور نہ دے سکا۔ حتی کہ سائنسدانوں میں ایڈون ہبل (Edwin Hubble) ۱۹۵۳ء وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ سائنسی تحقیق پیش کی کہ کائنات غیر متغیر نہیں بلکہ مسلسل وسعت پذیر (Expanding) ہے اس تحقیق نے نظریہ فتق (Big Bang Theory) کو جنم دیا ہے۔

حال ہی میں ۱۹۶۵ء میں آرنو پنزیز (Arno penzias) اور رابرٹ ولسن (Robert Wilson) نامی دو امریکی سائنسدانوں نے (Cosmic Background Radiation) کی دریافت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ طبیعی کائنات کی ابتداء ایک تخلیقی وحدت (رتق) سے ہوئی جسے Minute Cosmic Egg کا نام دیا گیا ہے جو غیر معمولی توانائی (Energy) کا حامل ایک وجود تھا۔ وہ اچانک پھٹا تو اس فتق (Explosion) سے کائنات پست وبالا کے مختلف حصے معرض وجود میں آگئے۔ اسی سے سب کہکشائیں جو زمینی اور آسمانی طبقات پر مشتمل ہوتی ہیں، بنیں۔ درج ذیل چار بنیادی قوتیں (Four basic forces) جن سے اجرام کائنات کا باہمی تعامل عبارت ہے، بھی اسی عمل سے تخلیق ہوئیں۔

1- Gravity

2- Electromagnetism

3- Strong Nuclear Forces

4- Weak Nuclear Forces

نتیجہ کائنات کے زیریں اور بالائی حصے وجود میں آکر وسعت پذیر ہونے لگے اور یہ توسیعی عمل تیزی سے

(Expanding Process at Enormous Speed)

آج تک جاری ہے۔

توسیع خلق کائنات اور قرآن

(Expanding of Universe and Qur'an)

سائنس نے آج 'تخلیق کائنات' کے باب میں جس توسیعی عمل (Expansion) کے جاری رہنے کا بیان کیا ہے۔ قرآن مجید اس کی صراحت بہت پہلے کر چکا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(النحل ۱۶:۸)

اور وہ اس قدر تخلیق فرماتا رہتا ہے جس کا تمہیں اندازہ ہی نہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ

(فاطر ۳۵:۱)

اور وہ کائنات کی تخلیق میں اضافہ فرماتا رہتا ہے جس قدر وہ پسند فرمائے۔

اسی طرح یہ حقیقت ہے کہ اس توسیعی عمل کے ذریعے رب کائنات کے امر کن کے نتیجے میں لحہ بہ لحہ کئی کائناتیں اور مخلوقات معرض وجود میں آتی رہتی ہے جن کی کسی کو بھی صحیح خبر نہیں۔ اقبال اسی فلسفہ تخلیق کو اپنے الفاظ میں یوں واضح کرتے ہیں۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

کانتا رتقا---ففتقناھما

جدید سائنس نے حالت رتق کے خاتمے اور قرآن مجید کے مطابق فتق (Explosion) کے واقع ہونے کا عرصہ آج سے تقریباً پندرہ ارب سال قبل کا بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے کی تفصیل کیا ہے؟ سائنس یہ بیان کرنے سے معذور ہے۔ یہ عقدہ قرآنی اعلان کن فیکون سے ہی کھلتا ہے۔ البتہ جدید سائنس۔ کانتا رتقا۔ کی تعبیر میں یہ بتاتی ہے کہ کشش کی ایک غیر معمولی قوت تھی جس نے وجود کائنات کو ایک اکائی اور وحدت کی طرح باہم پیوست رکھا ہوا تھا۔ اسے (Single Unifying Force) کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں اچانک تفریق و تقسیم ہو گئی جو ففتقناھما پر منتج ہوئی۔ اس وقت عمل فتق کے فوراً بعد دنیا کے درجہ حرارت (Temperature) کی نسبت یہ اندازہ قائم کیا گیا ہے کہ یہ 100 ارب سنٹی گریڈ یا 180 ارب فارن ہائیٹ سے زیادہ تھا اور اس کے صرف ایک منٹ کے بعد درجہ حرارت گر کر 10 ارب سنٹی گریڈ یا 18 ارب فارن ہائٹ رہ گیا یاد رہے کہ اس وقت دنیا کا اوسط درجہ حرات 454 فارن ہائیٹ / 270 سنٹی گریڈ ہے جو ممکن حد تک کم سے کم سطح جسے مطلق صفر (Absolute Zero) کہتے ہیں سے صرف زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمل فتق سے کائنات میں اس قدر حرارت نے جنم لیا جس کا درجہ حرارت آج تک تدریجاً کم ہوتا رہا ہے۔

اصول تخلیق، خلقی وحدت کی تقسیم اور نور محمدی ﷺ

جس طرح ہم مادی اور طبیعی کائنات کی تخلیق میں رتق اور فتق کے عمل میں ایک خلقی وحدت کی تقسیم اور تفریق کے نظام کو دیکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ اصول ہمیں اس سے پہلے غیرمادی کائنات کی تخلیق اور اصل ابتدا خلق (Origin of Creation) میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ جب لوح و قلم، عرش و کرسی اور ملائکہ وغیرہ کی تخلیق عمل میں آئی، تب بھی ان سب کو ایک ہی نورانی وحدت سے منتزع کیا گیا۔ اس نورانی وحدت کا نام نور محمدی ﷺ تھا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ

انصاری کی روایت سے ثابت ہے۔ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

یارسول اللہ ﷺ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شئی خلقہ اللہ تعالی قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذالک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالی ولم یکن ذالک الوقت لوح ولاقلم ولاجنہ ولانار ولاملک ولاسماء ولا ارض ولاشمس ولاقمر ولا جن ولاانس۔ فلما اراد اللہ ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعہ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم من الثانی اللوح و من الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعہ اجزاء فخلق من الجزء الاول حملہ العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملائکہ ثم قسم الجزء الرابع اربعہ اجزاء فخلق من الاول السموات ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنہ والنار ... (الحدیث)

(مصنف عبد الرزاق بحوالہ قسطلانی ۱:۹)

(ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی۔ نشر الطیب: ۱۴)

یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور یعنی نور محمدی ﷺ کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم پیدا کیا۔ دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ ایک سے حاملان عرش کو پیدا کیا، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ ایک سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمینیں، تیسرے سے جنت و دوزخ آگے طویل حدیث ہے۔

وہ غیر معمولی قوت جس نے کشش کے ذریعے وجود کائنات کو ایک وحدت کی طرح پیوست رکھا ہوا تھا حقیقت میں کیا تھی یہ تو ذات باری ہی بہتر جانتی ہے جو ہر شئے کی خالق ہے مگر حدیث مذکور کی روشنی میں اس کی ایک تعبیر یہ بھی سامنے آتی ہے کہ Single Unifying Forceای نورانی وحدت یعنی نور محمدی ﷺ کا ہی ایک جزاثر یا پرتو تھا جس کی بعدازاں عالم طبیعی کی تخلیق کے لئے تقسیم عمل میں آئی۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے جس کی تفصیل آپ نزول سورہ فاتحہ کے باب میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

نور محمدی ﷺ کا اس کائنات میں نورانی وحدت کے طور پر موجود ہونا بلکہ اسی سے فضائے کائنات کا معمور ہونا جس کا ذکر ہم آج تک احادیث نبوی اور ائمہ واسلاف کی کتب میں پڑھتے رہے ہیں۔ اب دور حاضر کی سائنسی تحقیقات بھی اسی حقیقت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ سائنس نہ تو نور محمدی ﷺ کی حقیقت معلوم کر سکتی ہے اور نہ اس کی ماہیت کا ادراک اس کے دائرہ تحقیق میں ہے۔ مگر جو کچھ اس کی معلومات و تحقیقات (Finding) میں آ رہا ہے' اس کی سمت اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۹۴۰ء میں George Gamow نامی سائنسدان نے "Big Bang Evidence" کے حوالے سے تحقیق کو یہاں تک پہنچایا ہے۔

"Right after the Big Bang, the Universe was so hot that thermonuclear reactions could occur throughout space. This would mean that the early Universe was filled with high-energy, shortware photons (Particles of light)

P. 382 (Origin of the Universe)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی کائنات بہت کثیرالقوۃ نور کے ساتھ معمور تھی۔

یہ تحقیق اس امر کی تصریح کر رہی ہے کہ کائنات کا ابتدائی اور اولین دور فقط نور سے معمور تھا۔ ہم اس سائنسی بیان کا من وعن متذکرہ بالا حدیث نبوی کے مضمون پر اطلاق نہیں کر رہے۔ اس لئے کہ حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ فقط یہ واضح کر رہے ہیں کہ سائنس ابتدا تخلیق میں کائنات کے اندر محض نور کے موجود ہونے کو تسلیم کر چکی ہے۔ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا تھی؟ (اللہ ورسولہ اعلم) تاہم اس قدر تحقیق کا منصہ شہود پر آنا اسلام اور احادیث نبوی کی حقانیت کی بین دلیل ہے۔

یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ نظام ربوبیت میں ہر سطح پر عمل تخلیق، خلقی وحدت کی تقسیم ہی کے نظام کے تحت وجود میں آیا ہے۔ گویا ہر جگہ ایک ہی اصول تخلیق کار فرما ہے۔ یہی اس کی توجیہ کی معروضی اور مشاہداتی دلیل ہے۔ رحم مادر میں انسانی تخلیق کا عمل بھی اسی اصول کے تابع ہوتا ہے جس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء، ۴:۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں میں سے بہت سے مرد و عورت (پیدا کئے اور) پھیلا دیئے۔

قرآنی صداقت کی ایک اور ایمان افروز تائید

سائنسی تحقیق اور ثبوت قیامت

جہاں قرآن مجید نے طبیعی کائنات کی تخلیق کی نسبت چند اہم حقائق بیان کئے ہیں وہاں اس کے اختتام کی بعض خصوصی علامات کا بھی ذکر کیا ہے جن کی تائید و تصدیق مکمل طور پر جدید سائنس کے ذریعے ہو رہی ہے ہم پہلے جدید سائنس کی تحقیقات واکتشافات کا خلاصہ درج کرتے ہیں تاکہ اصل تصور واضح ہو جائے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ دور حاضر کے سائنس دانوں کی رائے میں اس مادی اور طبیعی کائنات (Physical Universe) کا آغاز اجرام ارضی وسماوی کی تخلیق و تقسیم کے جس

عمل سے ہوا وہ آج سے تقریباً پندرہ ارب برس پہلے رونما ہوا اور اس کا اختتام اس وقت سے تقریباً اسی (۸۰) ارب برس بعد (یعنی آج سے پینسٹھ ارب سال بعد) ہو گا۔ یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ سائنس آغاز عالم کو "Explosion" کے ذریعے تسلیم کرتی ہے اور خاتمہ "Collision" کے ذریعے اس تحقیق کی تلخیص ملاحظہ ہو۔

BEGINNING WITH A BANG

Most astronomers now believe that the universe started with a gigantic explosion-the Big Bang-about 15 billion years ago (in any case, between 13 and 20 billion year ago). According to the theory, a "Minute cosmic egg" of immeasurable energy exploded, Matter, gravity, and electromagnetism were created in the unimaginable blast, galaxies formed, and the universe began to expand at enormous speed, as it is still doing today.

Two other concepts have been proposed to explain the birth of the universe: the Oscillating Universe and the Steady State.

Oscillating Universe

The big Bang idea is taken a step further by the Oscillating Universe theory. The present expansion, it says, will be followed by a contraction, brought on by the force of gravity. The outward- speeding galaxies will slow and stop, like balls tossed straight up in the air, then fall back toward the center. Finally, they will collide, triggering a new Big Bang; the cycle is repeated about once every 80 billion years.

Most scientists believe that the universe will continue to expand, but that at a certain point, matter will collapse into huge black holes. Hydrogen and helium, which today constitute most of the universe, will be used up in thermonuclear fire of stars, about 10^{12} years from now. No new stars will be born, and the universe will consist of dead stars, meteoroids, rocks, and other cosmic debris.

Beyond the ultimate black holes

Eventually, after trillions of years have passed, two stars within a galaxy will collide with enough energy to kick one of the stars out of the galaxy. The other stars remaining in the galaxy will fall into a lower energy orbit closer to the center of the galaxy. Then, owing to the emission of gravitational radiation, these stars will fall into the galaxy's center, coalescing into one huge black hole.

When the universe is 10^{27} years old, it will consist of huge black holes surrounded by dead stars. After more time, entire galaxies will spiral toward each other and collapse into supergalactic black holes. Eventually, after about 10^{106} years, these black holes will evaporate in burst of particles and radiation equal to the explosion of a billion 1-megaton H-bombs.

(Book of Facts Reader's Digest, 1987) "Facts about the Universe"

تخلیق کائنات کے بعد اس کی مسلسل توسیع و ارتقاء اور بالآخر اس کے انجام
کے بارے میں موجودہ سائنسی تحقیق "Oscillating Universe
Theory" کی شکل میں سامنے آئی ہے جو درج ذیل امور واضح کرتی ہے۔

۱۔ وسعت پذیر کائنات بالآخر سکڑنا شروع ہو گی۔ کہکشائیں (Galaxies) مزید پھیلنے
کی بجائے اپنے مرکز کی طرف سکڑنے لگیں گی حتیٰ کہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں
گی۔

۲۔ یہ ٹکراؤ "Collision" ایک بہت بڑے دھماکے پر منتج ہو گا۔ یہ بھی پہلے کی طرح
ایک "Big Bang" ہو گا جس کا عرصہ اس وقت سے تقریباً ۶۵ ارب سال بعد کا بیان
کیا گیا ہے۔ (واللہ و رسولہ اعلم)

۳۔ سماوی طبقات سکڑ جائیں گے۔ ان کا مادہ دفعۃً "Collapse" ہو جائے گا۔ ان کی
کشش ثقل اتنی بڑھ جائے گی کہ ایک دوسرے کو کھینچ لیں گے اور اس طرح یہ ایک
دوسرے سے ٹکرانے لگیں گے اور یہ سب بے نور ہو جائیں گے۔ جنہیں

Huge Black Holes کہا گیا ہے۔

۴۔ کہکشاؤں کے ستارے آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کو کہکشاؤں سے باہر گرا دیں گے۔ حتیٰ کہ اسی عمل کے نتیجے میں کہکشائیں بھی آپس میں چکرانے لگیں گی اور بالآخر ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گی۔

۵۔ ستاروں میں ہائیڈروجن (Hydrogen) اور ہیلیم (Helium) جن سے روشنی ہوتی ہے۔ خرچ ہو کر ختم ہو جائیں گی اور یہ سب بے نور ہو جائیں گے۔

۶۔ بعد ازاں یہ "Huge Black Holes" (سکڑے ہوئے سیاہ مادے) بھی بخارات کی طرح ذرات بن کر (ریزہ ریزہ ہو کر) منتشر ہو جائیں گے۔

مذکورہ سائنسی حقائق قرآن و حدیث کی روشنی میں

اس امر میں تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ قرآن و حدیث کا بیان موجودہ سائنسی تحقیق سے چودہ صدیاں پہلے ہمارے پاس آ چکا ہے۔ اب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی تحقیق جوں جوں حد بلوغ کو پہنچے گی توں توں قرآن و حدیث اور اسلام کے حقائق کا انکار ہر ذی علم کے لئے عملاً ناممکن بنتا جائے گا کیونکہ اختتام عالم کے حوالے سے قرآن یہی کچھ اپنے انداز میں پہلے بیان کر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو

۱۔ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاO (الفجر' ۸۹:۲۱)	ہاں ہاں' جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے گی۔

یہ "Collision" اور "Big Bang" کا بیان ہے۔

۲۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْO وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْO (الانشقاق' ۸۴:۱-۲)	جب آسمان شق ہو جائے گا (یعنی پھٹ جائے گا) اور وہ اپنے رب کا حکم بجا لائے گا اور اسے سزاوار بھی یہی ہے۔
۳۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْO وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (الانفطار' ۸۲:۱-۲)	جب آسمان یعنی سب سماوی طبقات پھٹ جائیں گے اور جب ستارے جھڑ کر گر جائیں گے۔

یہ کہکشاں' ستاروں اور سیاروں کے باہم ٹکرا جانے اور "Collapse"

ہو کر "Huge Black Holes" میں بدل جانے اور ستاروں کے کہکشاؤں سے یا ہر گر جانے کا بیان ہے۔

۴۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (التکویر ۸۱: ۱-۲)
جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے (بے نور ہو کر) جھڑ پڑیں گے۔

اس میں سورج چاند اور ستاروں کی روشنی کے ختم ہو جانے اور ان کے ٹکرا کر گر پڑنے کا بیان ہے۔

۵۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (المرسلات ۷۷: ۸-۹)
پس جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا (اور اس میں جھروکے سے نظر آنے لگیں گے) اور جب پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر) اڑتے پھریں گے۔

ان امور کی تصریح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الشمس والقمر مکوران یوم القیامہ (صحیح البخاری ۱: ۴۵۴)
قیامت کے دن سورج اور چاند بے نور ہو کر آپس میں ٹکرا جائیں گے۔

شارحین حدیث نے مکوران کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

یجمعان و یلفان کما یلف العمامہ (حاشیہ صحیح البخاری ۱: ۴۵۴)
(دونوں آپس میں مل جائیں گے اور ایک دوسرے پر اس طرح چڑھ جائیں گے جیسے عمامہ کے بل اسے انگریزی میں Overlapping اور Colliding کہتے ہیں۔

ذاھبا الضوء والمراد ان السموات والارض یجمعان
ان کی روشنی ختم ہو جائے گی محض سورج اور چاند ہی نہیں بلکہ جملہ سماوی طبقات یعنی سب کہکشائیں آپس میں مل جائیں گی یعنی ٹکرا جائیں گی۔

حاشیہ نمبر ۹: مکوران یوم القیامۃ والمراد ان السموات والارض یجمان ویلفان کما یلف العمامۃ (صحیح البخاری، ۱: ۴۵۴)

۶۔ اسی طرح حضرت مقدادؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تدنی الشمس یوم القیامۃ من الخلق حتی تکون منھم کمقدار میل (صحیح المسلم، ۲: ۳۸۴) (مشکوۃ المصابیح: ۴۸۳)

قیامت کے دن سورج مخلوق (زمین) کے اس قدر قریب آ جائے گا کہ درمیان میں فقط ایک میل کا فاصلہ رہ جائے گا۔

یہ ٹکرا جانے سے پہلے کی حالت کا بیان ہے۔ اسی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم، ۱۴: ۴۸)

اس دن یہ زمین (باقی نہ رہے گی اور) اور دوسری زمین (یعنی میدان حشر) سے بدل دی جائے گی۔ اور (تمام) آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے یعنی اس حال میں باقی نہ رہیں گے۔

تبدل الارض سے مراد اس دنیا کا اپنی موجودہ صورت میں باقی نہ رہنا ہے جیسا کہ پیچھے اس کے۔ ٹکرا کر پاش پاش ہو جانے کا بیان آیا ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی درج ذیل حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

۸۔ سالت رسول اللہ ﷺ عن قولہ عزوجل یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات فاین یکون الناس یومئذ یا رسول اللہ فقال علی الصراط (صحیح المسلم، ۲: ۳۷۱) (مشکوۃ المصابیح: ۴۸۲)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس ارشاد الٰہی کہ اس دن یہ زمین ختم کر کے دوسری سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، کی نسبت سوال کیا کہ پھر اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا پل صراط پر۔

اسی طرح امام طیبیؒ اور ملا علی قاری کے مطابق محدثین نے تبدل السموات

(آسمانوں کا بدل دیا جانا کا معنی سورج' چاند اور ستاروں وغیرہ کا منتشر ہو جانا اور پھٹ جانا مراد لیا ہے' جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے۔ اس کا ذکر اس "Theory" کے آخری حصے میں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۹۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ
(الزمر' ۳۹:۶۷)

(قیامت کے دن) تمام آسمان (سماوی طبقات کاغذ کی طرح) لپیٹ دیئے جائیں گے (اور وہ سب) اس کے دست قدرت واختیار میں ہوں گے۔

یہاں سب بالائی کائنات' ستاروں اور سیاروں وغیرہ کے Collapse ہو جانے اور باہم ٹکرا جانے کا ذکر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

۱۰۔ یطوی اللہ عزوجل السموات یوم القیامہ ثم یاخذ ھن بیدہ الیمنی ثم یقول انا الملک این الجبارون این المتکبرون ثم یطوی الارضین بشمالہ ثم یقول انا الملک این الجبارون این المتکبرون
(صحیح المسلم' ۲: ۳۷۰)
(مشکوۃ المصابیح' ۴۸۲)

قیام کے دن اللہ تعالیٰ سب آسمانی طبقات کو ------ سمیٹ کر ختم کر دے گا۔ پھر انہیں دائیں ہاتھ میں لے کر یعنی تمام بالائی کائنات کو اپنے دست اختیار میں لے کر فرمائے گا۔ میں (ہر شئے پر طاقت اور قدرت رکھنے والا ہوں) آج جابر اور متکبر لوگ کہاں ہیں (جو اپنی نام نہاد حکومت پر گھمنڈ کرتے تھے) پھر تمام زمینوں کو یعنی زیریں کائنات کے تمام اجرام کو سمیٹ کر ختم کر دے گا اور انہیں بائیں ہاتھ میں لے کر اسی طرح ارشاد فرمائے گا۔ میں بادشاہ ہوں' آج جابر اور متکبر لوگ کہاں ہیں۔

ان احادیث میں دائیں اور بائیں ہاتھوں میں لے کر سمیٹ دینے کا ذکر

استعارہ ہے۔ اصل مقصود اسی تصور کو واضح کرنا ہے کہ کس طرح باری تعالیٰ نے نظام قدرت کے تحت زمین و آسمان سورج، چاند، ستارے، کہکشائیں بلکہ سب زیریں اور بالائی کائناتیں آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گی۔

یہاں ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ جس طرح سائنس نے اختتام دنیا پر پہلے کی طرح ٹکراؤ (Collision) اور دھماکے (Big Bang) کا ذکر کرتے ہوئے اس عرصہ حیات کو ایک دور (Cycle) قرار دیا ہے اور بالآخر پہلی سی حالت کے لوٹ آنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا بیان ملاحظہ ہو۔ قرآن کا اعلان یہ ہے

ک۔ قیامت کے قریب پھر دخانی حالت (Gasious State) لوٹ آئے گی۔

۱۱۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (الدخان، ۴۴:۱۰)

پس اس دن کا انتظار کیجئے جس دن (سارا) آسمان ظاہراً دھوئیں Smoke کا روپ دھارے گا۔

یہاں سماوی طبقات کے ٹوٹ پھوٹ کر پھر اسی دخانی حالت (Gasious State) سے بدل جانے کا ذکر ہے۔ جس سے سارا ماحول بھر جائے گا۔ اسے حدیث نبوی میں علامات قیامت کے طور پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حذیفہ بن اسید غفاریؓ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

۱۲۔ انها لن تقوم حتی تروا قبلها عشر ایات فذکر الدخان ------ وطلوع الشمس من مغربها
(صحیح المسلم، ۲: ۳۹۳)
(مشکوۃ المصابیح: ۴۷۲)

قیامت اس وقت تک واقع نہیں ہو گی جب تک اس سے پہلے تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ پھر حضور ﷺ نے (مشرق سے مغرب تک محیط) دھوئیں کا ذکر فرمایا---- (اور آگے) سورج کے الٹی سمت سے (مغرب سے) طلوع ہونے کا بھی ذکر کیا۔

حدیث مبارک میں بھی آیا ہے۔

یملا مابین المشرق والمغرب یمکث اربعین یوما ولیلہ

اسی دھوئیں سے مشرق و مغرب تمام اطراف عالم بھر جائیں گے اور مسلسل

دن رات قائم رہے گا۔

بہرحال اس بات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی کہ تمام اجرام ارضی وسماوی ٹکرا جائیں گے تو اس دھماکے سے آگ اور دھوئیں وغیرہ کا پیدا ہونا امر لابدی ہے۔ اس لئے اسی حدیث میں **واخر اذالک نار** (اور اسی کی آخری علامت آگ ہو گی) کا بیان بھی ہے۔ جدید سائنس بھی آگ اور دھوئیں کی اس کیفیت کے پیدا ہونے کا اعتراف کر چکی ہے۔ مزید یہ کہ سورج الٹی سمت (مغرب) سے طلوع ہونے کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ کشش (Gravitation) جو ان اجرام کو اپنے اپنے مستقر اور مدار پر مقرر سمت میں گردش پذیر رکھتی ہے جب اس میں کمی بیشی واقع ہو جائے گی تو ان کی حرکت کی سمتیں سب متضاد اور متصادم ہو جائیں گی اور اسی کے نتیجے میں بالاخر سب کچھ آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔

یہ بیان قیامت ہے جو اس مادی کائنات کے اختتام کی صورت ہے۔ جسے جدید سائنس نے اپنے انداز میں من وعن تسلیم کر لیا ہے اور اس کی قرآن وحدیث میں مذکور علامتوں کی توجیہہ بھی پیش کر دی ہے۔

ابتدائے تخلیق میں دخانی حالت کا پایا جانا

عالم طبیعی کی تخلیق اور ارتقاء کے باب میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید نے سماوی طبقات کی تخلیق کے وقت دخانی حالت (Gaseous State) کے پائے جانے کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حم السجدہ' ۴۱:۱۱)	پھر وہ آسمان یعنی کائنات کے بالائی طبقات کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (Cloud of Hot Gases) تھا۔

آسمان کی حقیقت

السماء کا لفظ **سما یسمو** سے ہے۔ جس کے معنی بلندی کے ہے۔ لغت عرب میں ہے "**سماء کل شی اعلاہ**" (ہر چیز کے اوپر جو کچھ ہے) وہ اس چیز کا سماء ہے۔ لہٰذا

کرہ ارض کے اوپر جس قدر کائنات موجود ہے وہ عالم سموات ہے۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ ۲:۲۲) اور اس نے آسمان سے (یعنی کرہ ارض کی بالائی فضا سے) بارش برسائی۔

بنابریں زمین کے اوپر کا طبقہ کائنات عالم طبیعی کی آخری حد تک عالم سماء کہلاتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں **استوی** کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قابل توجہ ہے۔ **استوی** میں سیدھا کھڑے ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے **تسویہ** کے معنی کسی چیز کو برابر کرنے، ہموار بنانے اور اسے اعتدال و توازن کے ساتھ قائم کر دینے کے ہیں۔ جب **استوی** کے ساتھ **الی** بطور صلہ آتا ہے تو اس کے معنی توجہ اور ارادہ کرنے کے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تخلیق کائنات کے اوائل دور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

قرآن مجید سے آسمان کی حقیقت وماہیت کے بارے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ کوئی ایسا ٹھوس اور جامد جسم نہیں جس کے آرپار جانا ممکن نہ ہو۔ جیساکہ قدیم فلاسفہ کا خیال تھا اور ہمارے بعض علماء نے بھی یہی تصور کرلیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ ..... فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (حم السجدہ ۴۱:۱۱-۱۲)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔ .... پھر ان اوپر کے طبقات کو دو ادوار میں مکمل سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے سب سے نچلے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا۔

مذکورہ بالا آیت اور اس کے سیاق وسباق سے درج ذیل چند نئے امور سامنے آتے ہیں جنہیں ہم نے پچھلی بحث میں بیان نہیں کیا۔

(۱) باری تعالیٰ نے عالم ارضی کو عالم سماء سے پہلے تخلیق کیا۔ زمین کا آسمانی طبقات سے پہلے تخلیق کیا جانا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

قال ان الارض خلقت قبل السماء (صحیح بخاری) انہوں نے کہا کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے کی گئی۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ آسمان زمین سے پہلے تخلیق ہوا۔ جیسا کہ ابن جریر نے حضرت قتادہ سے یہ خیال نقل کیا۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ مجرد آسمان یعنی عالم بالا کی تخلیق پہلے ہو گئی تھی۔ مگر اس کی طبقاتی تقسیم اور استواء زمین کے بعد وجود میں آیا۔ جب کہ ائمہ متقدمین و متاخرین میں سے اکثریت کا خیال یہی ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمان کی باقاعدہ صورت گری بعد میں وجود میں آئی۔

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ اس جگہ ہماری ساری بحث عالم طبیعی "Physical Universe" اور اسی کی تخلیق سے ہے جہاں تک عرش و کرسی، لوح و قلم یا دیگر مابعد الطبیعی عوالم کا تعلق ہے۔ ان کی تخلیق تو بلاشک وشبہ بہت پہلے ہو چکی تھی۔ ان کے زمانہ تخلیق کا تصور بھی چشم خیال کے لئے ناممکن ہے۔

(۲) عالم سماء ابتداء دھواں A Cloud of Hot Gases تھا۔

(۳) پہلے اقتدار الٰہی میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ جس سے اٹھنے والے آبی بخارات نے آسمانی دھواں Clestial smoked Clouds تشکیل دیا۔ گویا عالم طبیعی کی تمام بالائی اور زمینی مخلوقات کا آغاز پانی سے ہوا۔ اس امر کی تائید اس آیت قرآنی سے ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

(ھود ۱۱: ۷)

اور وہی رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں تخلیق کیا اور (اس سے پہلے) اس کا اقتدار پانی پر تھا۔

یعنی تخت اقتدار کے نیچے پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس پانی سے باری تعالیٰ نے دخان Clestial Smoke کی صورت میں دھواں اٹھایا اور اس سے عالم سماوی تشکیل دیا۔ سدیؒ نے ابو مالک، ابو صالح، ابن عباس، ابن مسعود اور متعدد دیگر صحابہ سے یہ روایت کیا ہے۔

فلما اراد ان یخلق الخلق اخراج من السماء دخانا فارتفع فوق الماء فسما علیہ فسماہ سماء

(ابن کثیر، ۱: ۶۸)

جب اللہ تعالیٰ نے طبیعی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پانی میں سے دھواں اٹھایا اور اسے پانی کے اوپر کی فضا میں قائم فرما دیا۔ پھر اس عالم کا نام سماء یعنی آسمان رکھ دیا۔

اس امر کی مزید تصریح ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے۔

ذالک الدخان من تنفس الماء حین تنفس فجعلها سماء (ابن کثیر' ۱: ۶۸)

یہ دھواں (جس کا ذکر قرآن مجید میں تخلیق آسمان کے سلسلے میں آیا ہے) پانی کے بخارات سے بنا تھا جب یہ دھواں (Hot Gases) اوپر اٹھا تو اسی کو آسمان بنا دیا گیا۔

۴۔ اس عالم سماء کو سات محکم طبقات میں تقسیم کیا گیا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ طِبَاقًا (الملک' ۶۷: ۳)

جس نے طبق در طبق سات آسمان تخلیق کئے۔

اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں سات کا عدد خاص بھی ہو سکتا ہے اور اس سے مراد محض عددی کثرت بھی ہو سکتی ہے۔

۵۔ تمام ستارے اور سیارے مثلاً چاند' سورج اور دیگر اجرام فلکی جو عالم افلاک میں چراغوں کی مانند چمک رہے ہیں' پہلے طبقہ آسمانی میں موجود ہیں۔ ان کا مدار آسمان دنیا ہی کے نیچے ہے۔ کوئی ستارہ یا سیارہ پہلے آسمان سے اوپر نہیں۔ یہ تمام سیارگان فلکی باری تعالیٰ کے حکم اور اس کی تدبیر کے مطابق محو گردش ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌۢ بِاَمْرِهٖ (الاعراف' ۷: ۵۴)

اور سورج چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے تابع چل رہے ہیں۔

اسی طرح ارشاد ہے۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (الانبیاء' ۲۱: ۳۳)

ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گردش پذیر ہے۔

۶۔ زمین و آسمان پر مشتمل کائنات کی حدود اس نوعیت کی نہیں ہیں کہ ان کو چھوا نہ جا سکے یا ان کے آر پار آنا جانا ناممکن ہو۔ قرآن و حدیث سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں کہ انسان آسمانوں کے پار نہیں جا سکتا بلکہ اس کا امکان عقلی و شرعی خود قرآن سے یوں

ثابت ہے۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفِذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ، لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ (الرحمان ۵۵: ۳۳)	اے جن و انسان کے گروہ اگر تم میں اس قدر طاقت ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو بیشک نکل جاؤ۔ جہاں بھی نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت و حکومت ہو گی۔

اس آیت کریمہ کے مفہوم کا ایک مفاد یہ سمجھنا ہے کہ انسان، زمین و آسمان کے کناروں سے تو باہر نکل سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کی حدود سے نہیں نکل سکتا۔

سائنس تخلیق سماوی کے باب میں بھی قرآن کی تصدیق کرتی ہے

جدید سائنس نے ابتدائے تخلیق میں دخانی حالت (Gaseous State) کے موجود ہونے کو تسلیم کیا ہے جسے "Primary Nebula" کے تصور کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق نے Cosmic Blast off کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

The fan -shapped ORION NEBULA, which glows in Orion's sword (insct), 1600 light years away from the EARTH, consists of a cloud of hot gases and dust spread out, over at least 30 light years of space.

Origions of the Universe

Reader's Digest (U.S.A 1987, Book of facts, P. 382.

الغرض اس سے بڑا قرآنی معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابتدائے کائنات میں زمین سے اوپر کی فضاء میں سولہ سو نوری سالوں کی مسافت پر اس دخانی حالت (Cloud of Hot Gases) کا پایا جانا آج ثابت ہو چکا ہے جس کا بیان قرآن

مجید نے چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا اور جس کی تصریح احادیث نبوی میں بھی کر دی گئی تھی۔

(۳) زمینی زندگی کا آغاز پانی سے ہونا

اس عنصر تخلیق کی وضاحت بھی قرآن نے کر دی ہے۔ جس میں اس امر کی صراحت ہے کہ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا ہے بلکہ زیریں اور بالائی کائنات کی تخلیق کے وقت بھی ہر سو پانی ہی پانی تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ (ہود' ۱۱:۷)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں بنایا اور (اس سے قبل) اس کا تخت اقتدار (Authority) پانی پر تھا۔ یعنی زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے (عالم مادی میں صرف) پانی تھا۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر پانی کا جملہ مظاہر حیات پر مقدم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ (الانبیاء' ۲۱:۳۰)

اور ہم نے ہر مظہر حیات کی تخلیق کا آغاز پانی سے کیا۔ کیا وہ (اس حقیقت سے آگاہ ہو کر) بھی ایمان نہیں لاتے؟

اس آیت قرآنی نے بہت بڑی سائنسی حقیقت (Scientific fact) کو بیان کیا ہے جس کی تائید دور جدید کی سائنس نے آج کر دی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عنصر کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کہ تخلیق ارضی (Origin of the earth) سے تخلیق حیات (Origin of the life) تک کا درمیانی زمانہ جو Azoic era کہلاتا ہے۔ جسے قرآن مجید نے یومین (Two periods) سے تعبیر کیا ہے اور جو زمانہ قبل ظہور حیات ہے۔ یہ پانی (Water) اور پہاڑوں (Mountains and Rocks) کا زمانہ ہے صاف

ظاہر ہے کہ پہاڑوں کا وجود تو زمین کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہوا مگر پانی اس وقت سے تھا جب زمین و آسمان پر مشتمل طبیعی کائنات کی تقسیم بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔

جب زمین پر زندگی کا آغاز ہوا' جو اربعہ ایام (Four Eras) کے ابتداء کا دور ہے تو اس کے ابتدائی زمانے میں بھی زندگی کے آثار اور مظاہر خشکی (Land) پر نظر نہیں آتے بلکہ صرف پانی (Seas) میں نظر آتے ہیں جدید سائنسی تحقیق نے اس قرآنی امر کو ثابت کر دیا ہے کہ اس دور کے پہلے زمانے (Precam Brian) میں زندگی کے جملہ مظاہر و آثار فقط پانی میں ہی تھے۔ ان کا کوئی وجود خشکی (Land) پر نہ تھا۔ بلکہ دوسرے زمانے (Palaezoic Era) (جسے زندگی کا عہد قدیم (Ancient life) سے تعبیر کیا گیا ہے) میں بھی ابتداء زندگی فقط پانی تک محدود تھی خشکی پر نہ تھی۔

جدید سائنسی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں Cambrian اور Ordovician کے دونوں عرصوں میں آبی زندگی (Life in sea) ہے۔ خشکی کی زندگی (Life of land) کا کوئی سراغ نہیں ملتا للذا یہ بات سائنسی تحقیق سے بھی پایہ تحقیق کو پہنچ گئی کہ قرآن مجید کا اعلان کہ ہم نے زندگی کے جملہ مظاہر کا آغاز پانی سے کیا حق ہے۔ خشکی پر زندگی کا آغاز Selurian period میں ہوا۔ سب سے پہلے پودے (Plants) جو خشکی پر معرض وجود میں آئے۔

Vascular Plants یا First Tracheophytes ہیں جن کا نام "Pseudo-sporochnus" اور "Hynia, Asteroxylon, Phynia" ہے یہ بغیر پتوں کے تھے اور یہ بھی سمندروں کے کناروں پر اگے۔ یعنی زندگی کی پہلی علامات جو خشکی پر ظہور پذیر ہوئیں وہ بھی پانی سے ہی وجود میں آئیں جبکہ اس وقت تک پانی (Seas) میں زندگی پودوں' کیڑوں' لاردوں' مچھلیوں اور دیگر چھوٹے چھوٹے جانوروں کی شکل میں کئی ارتقائی منازل طے کر چکی تھیں۔ پھر اس سے اگلے

عرصے Devonian Period میں زمین کے خشک حصوں پر سبزہ نظر آنے لگا۔ اسی عرصے میں درخت معرض وجود میں آئے اور اسی آخری حصے میں خشکی پر بھی بغیر پروں کے کیڑے مکوڑے Wingless Insects مکڑیاں (Spiders) اور دیگر چھوٹے چھوٹے جانور ظہور پذیر ہوئے۔

اس تاریخ سے اس امر کی مکمل تصدیق ہو جاتی ہے کہ زمینی زندگی کا آغاز پانی سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء سے اب تک زمین (Earth) کا غالب حصہ پانی پر ہی مشتمل ہے۔ (جدید تحقیق کے مطابق زمین کا کل ۲۹ فیصد حصہ خشکی پر مشتمل ہے اور باقی دو تہائی سے بھی زیادہ حصہ پانی ہے) قرآن سورہ الانبیاء میں اس وقت اس حقیقت کا اعلان کر کے جب کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے سوال کر رہا ہے۔

أَفَلَا يُؤْمِنُونَ	کیا لوگ قرآن کی صداقت و حقانیت کی
(الانبیاء، ۲۱: ۳۰)	ایسی حیرت انگیز علامتیں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ وہ چیلنج ہے جس کا عالم کفر تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمان علماء و مفسرین خود سائنسی علوم اور تحقیقات سے آگہی حاصل نہ کریں۔ دور جدید کے ان سائنسی حقائق اور انکشافات کو پڑھے سمجھے بغیر قرآن مجید کی عظمت و حقانیت کے ایسے ہی ہزاروں گوشے ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل پڑے ہیں۔

چھ ادوار تخلیق کے دو تدریجی مرحلے

قرآن مجید کے عمیق مطالعہ سے یہ حقیقت منصہ شہود پر آتی ہے کہ عمل تخلیق کے چھ ادوار بنیادی طور پر دو مرحلوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

۱۔ مرحلہ ما قبل ظہور حیات

Period Before The Appearance of life

۲۔ مرحلہ مابعد ظہور حیات

Period After The Appearance of life

پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں طبیعی کائنات (Physical World) کی فقط تخلیق عمل میں آئی۔ مگر اس میں زمین پر زندگی کا آغاز اور ظہور نہ ہوا۔ یہ کائنات ارضی میں ظہور زندگی سے پہلے کا مرحلہ ہے۔

دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں زمین پر زندگی کا آغاز ہوا۔ یہ کائنات ارضی میں ظہور زندگی کے بعد کا مرحلہ ہے۔

تخلیق کے کل چھ ادوار کی قرآنی تقسیم یہ ہے کہ دو ادوار (Two Eras) پر مشتمل پہلا مرحلہ ہے اور چار ادوار (Four Eras) پر مشتمل دوسرا مرحلہ' جدید تحقیق کے مطابق سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زمین کو معرض وجد میں آئے ہوئے مجموعی طور پر ۴۶ء ۴ بلین سال (4.6 Bilion Years) ہو چکے ہیں (یہ تقریباً چار ارب ساٹھ کروڑ سال کا عرصہ بنتا ہے) حقیقت حال خالق کائنات کو ہی معلوم ہے۔ انسانی علم و تحقیق کی حیثیت اندازے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ قرآن مجید اس مسئلے پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِی یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

(حم السجدہ ۴۱: ۱۲)

پھر اس نے دو ر ادوار میں سات آسمان (بالائی طبقات کائنات) بنا دیئے اور (پھر) ہر آسمان (بالائی طبقے) کے احکام اس میں بھیجے۔

(یعنی جس سماوی طبقے کے لئے جو قوانین اور ضوابط اس نے مناسب سمجھے مرتب کئے اور جس کو چاہا اسے وہاں بسایا۔ اب وہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کیا کیا مخلوق آباد ہے)

اس آیت کریمہ سے درج ذیل نتائج ماخوذ ہوتے ہیں۔

ا۔ جملہ سموات (سماوی طبقات کائنات) کی تخلیق دو ادوار (یومین) میں ہوئی۔

ب۔ ہر سماوی طبقہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و حکمت سے جدا جدا قوانین اور ضوابط مرتب فرمائے اور انہی سے ہر آسمان اور بالائی طبقے کا نظام تشکیل پذیر ہوا۔

ج۔ ہر سماوی طبقے میں بعد ازاں اس نے اپنی حکمت و مشیت سے جیسی مخلوق کو چاہا بسا دیا جس کی حقیقت اور تفصیل اسی کو معلوم ہے انسان آج اپنی خلائی تحقیقات کے ذریعے انہی حقائق کو دریافت کرنے میں مصروف نظر آتا ہے۔

۲۔ جملہ سماوی طبقات کی طرح زمین کی تخلیق بھی انہی دو ادوار (یومین) کے اندر ہوئی۔ یہ ظہور زندگی سے پہلے کا وہی مرحلہ ہے جس کا ذکر اوپر تخلیق سماوی کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

(حم السجدہ ۴۱: ۹)

آپ (ان سے) پوچھئے کیا تم لوگ اس ذات کے منکر ہو جس نے دو دنوں (ادوار) میں زمین کو پیدا فرمایا۔ اور تم اس کے ساتھ (دوسروں کو) ہمسر ٹھہراتے ہو؟ وہی تمام کائنات کا پروردگار ہے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے کی مانند درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

ا۔ زمین کی تخلیق بھی سماوی طبقات کے ساتھ انہی دو ادوار (یومین) میں ہوئی۔

ب۔ یہ نظام تخلیق بھی تنہا رب کائنات کے نظام خلاقیت و ربوبیت کا آئینہ دار ہے جس میں اور کوئی طاقت شریک نہیں۔

جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ یہ دو ادوار (Two Eras) زمین کی تخلیق کے اس مرحلے سے متعلق ہیں جو اس پر زندگی کے ظہور سے پہلے (Before Appearance of life) کا ہے۔

جدید سائنس نے قرآن مجید کی بیان کردہ اس حقیقت کی تائید کرتے ہوئے Geologic Time Table کی رو سے اس مرحلے کو Asoic era کہتے ہیں۔ اس عرصے کو سائنس دان تین ہزار ملین سال (3000 Million years) پر مشتمل

قرار دیتے ہیں۔ یہ مدت تقریباً تین ارب سال بنتی ہے بہرحال اس عرصے کی بابت حتما کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ امر طے شدہ ہے کہ اس کی تخلیق اس ارشاد ربانی سے عمل میں آئی۔

اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ (یٰسین '۳۶:۸۲)	جب وہ کسی شئے کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے ہو جانے کا حکم دیتا ہے پس وہ ہو جاتی / ہونے لگتی ہے۔

چنانچہ امر الٰہی سے معرض وجود میں آ جانے کے بعد ابتداء زمین ایک طویل عرصہ تک اسی قابل نہ تھی کہ اس میں زندگی کا آغاز ہو سکے۔ جب اذن الٰہی سے اسے اس قابل بنا دیا گیا تو اس کے نئے عرصہ حیات کا آغاز ہوا۔ یہ مرحلہ ظہور حیات ہے۔

مرحلہ مابعد ظہور حیات

Period after the appearance of life

حیات ارضی کا دوسرا مرحلہ چار ادوار میں منقسم ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ (حم السجدہ '۴۱:۱۰)	اور اس نے زمین میں اوپر سے بھاری پہاڑ نصب کئے اور اس کے اندر بڑی برکت رکھی (بقا اور نشوونما کی بڑی قوتیں رکھ دیں) اور اس میں بسنے والی مخلوق کے لئے سامان معیشت و نشوونما مقرر کیا (یہ سب کچھ اس نے چار ادوار میں کیا)

یہ بات اہل اسلام کے لئے یقیناً قوت ایمانی کا باعث ہے کہ زمینی زندگی کے ان چار ادوار کے قرآنی بیان کی آج دور جدید کی سائنس نے مکمل تائید و تصدیق کر دی ہے۔ جدید سائنس نے بھی زمین پر ظہور حیات کے بعد تخلیق و ارتقاء کے چار ادوار (Four Eras) بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1. Proterozoic Era (Precambrian)
2. Palaeozoic Era (Ancient Life)
3. Mesozoic Era (Middle Life)
4. Cainozolic Era (Modern Life)

یوم الثالث Proterozoic Era- I

یہ دور Precambrian کہلاتا ہے۔ اس میں زمینی زندگی چار ابتدائی آثار کی شکل میں نمودار ہوئی۔

1- First Life Cells 2- Monera
3- protista 4- Metazoa

یوم الرابع Palaeozoic Era (۲)

یہ دور قدیم کی زندگی (Ancient life) کہلاتی ہے یہ دور مزید درج ذیل حصوں (Periods) میں تقسیم کیا گیا ہے۔

i- Cambrian ii-Ordovician iii-Silurian
v- Carboni Ferous iv- Dvonian vi- Permian

یوم الخامس Mesozoic Era (۳)

یہ زندگی کا وسطانی دور ہے۔ جسے Middle Life کہتے ہیں اس کے درج ذیل تین حصے (Periods) ہیں۔

i- Triassic ii- Jurassic iii- Cretaceous

یوم السادس Cainozoic Era (۴)

یہ زندگی کا جدید دور ہے۔ جسے (Modern Life) کہتے ہیں۔
سائنسدانوں کے نزدیک اس دور کے آغاز کو تقریبا ساڑھے سات کروڑ سال

(7,50,00,000) گزر چکے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) اس کی تقسیم مزید درج ذیل حصوں (Periods) میں کی گئی ہے۔

i- Paleocene ii- Eocene iii- Oligocene
iv- Miocene v- Pliocene vi- Pleistocene
vii- Holocene

یوم السادس کے انسان کی شان امتیاز

اس آخری حصے (Period) کو جس میں ہم رہ رہے ہیں سائنسی اصطلاح کے مطابق "Age of Mammals and Birds" (جانوروں اور پرندوں کا زمانہ کہتے ہیں۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Darwin's Theory of evolution) جس سے ہم ہرگز متفق نہیں ہیں' کے مطابق چونکہ انسان کا تعلق بھی بعض دیگر جانوروں (Animals) کی طرح Mammals ہی کے گروپ سے ہے اور یہ نظریہ انسان کو ایک الگ مخلوق (Separate Creation) تصور کرنے کے بجائے بعض دوسرے جانوروں (Apes) ہی کی ارتقائی شکل گردانتا ہے جس کی تفصیل کے مطابق انسان کا تعلق درج ذیل انواع' اجناس اور اقسام سے ہے۔

1. Phylum ------ Chordata
2. Sub Phylum ------ Vertebrata
3. Class ------ Mammalia
4. Order ---- Primate
5. Superfamily ----- Hominoid
6. Family ---- Hominid
7. Genus ----- Homo

8. Species ----- Homo Sapiens

اس لئے اس دور کو فقط "Age of Mammals and Birds"
قرار دیا گیا ہے اور انسان کا الگ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ مگر یہاں یہ بات ذہن نشین رہے
کہ قرآن مجید نے انسان کو خلق آخر (A Distin Guished Creation)
قرار دیا ہے اور پھر اسے شان "احسن تقویم" (The Best Make) کے ساتھ
نوازا ہے۔ اس لئے ہم اس دور کو فقط جانوروں اور پرندوں کا دور کہنے کے بجائے
ترتیب تخلیق کے اعتبار سے of Animals, Birds and Humans
Age (جانوروں اور پرندوں اور انسانوں کا دور کہیں گے جس سے یہ واضح ہو کہ کرہ
ارض پر ظہور حیات کے بعد مختلف ادوار میں جس قدر مخلوقات معرض وجود میں آتی
ہیں۔ انسان (Man) ان سب میں سے آخری' اعلیٰ اور اکمل (Last Superior
and perfect) ہے چونکہ ان تینوں مخلوقات۔ جانوروں (Animals)
پرندوں (Birds) اور انسانوں (Humans) کی تخلیق کا زمانہ ایک ہی ہے جو
Modern Life کا دور آخر ہے اس لئے قرآن مجید نے سائنس کے مفروضے سے
مختلف مگر زیادہ جامع اور اٹل بات کی ہے اور اسے

Age of animals Birds and Humans قرار دیا ہے
اور تینوں کا ذکر بیک وقت ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (الانعام' ۶:۳۸)	اور زمین پر چلنے والے جانور (Animals) اور دو بازؤوں سے اڑنے والے پرندے (Birds) ہر ایک تمہارے ہی جیسی یعنی انسانوں (Humans) کی طرح الگ مخلوق (Group) ہے۔

ہم (Mammals) وغیرہ کی اصطلاحات اور ان کی جزوی تفصیلات میں

پڑے بغیر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ زمینی زندگی کے چوتھے دور (Fourth era) تک سائنس نے جو تحقیق اصولی طور پر آج پیش کرتا ہے' قرآن مجید اسے صدیوں پہلے بالکل صراحت (Clarity) کے ساتھ بیان کر چکا ہے۔

ایک سائنسی مغالطہ اور اسکا ازالہ

لیمارک (Lamarck) مالتھس (Malthus) مینڈل (Mendel) ڈارون (Darwin) اوپرائن (Oparine) مونوڈ (Monod) اور ولسن (Wilson) الغرض جس قدر سائنسدانوں نے بھی تاحال نظریہ ارتقاء کو لیمارکزم (Lamarckism) ڈارونزم (Darwinism) یا نیوڈارونزم (New Darwinis) وغیرہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ سب کی بنیاد محض مماثلتوں (Similarities) کے وجود پر ہے جو ان کے نزدیک بعض جانوروں اور انسانوں میں پائی گئی ہیں۔ ان کی نوعیت بالعموم درج ذیل ہے۔

1. Biological Similarities
2. Anatomical Similarities
3. Biochemical similarities
4. Genetic similarities

وہ اپنی مماثلتوں کی بنا پر انسان کو بعض جانوروں کی ارتقائی صورت قرار دیتے ہیں۔ ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بعض مماثلتوں کی حد تک ان کا مشاہدہ (Observation) تو درست ہے۔ مگر ان سے اخذ کیا جانے والا نتیجہ (Conclusion) غلط ہے۔ قرآن مجید نے خود مماثلتوں کو صراحتاً بیان کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے یہ الفاظ توجہ کے لئے دوبارہ لکھے جا رہے ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ

(الانعام' ۶:۳۸)

اور زمین پر چلنے والے جانور اور دو بازوؤں سے اڑنے والے پرندے' ہر ایک تمہارے ہی جیسی (تم سے کئی اعتبارات میں مماثل) الگ مخلوق ہے۔

یہاں **امثالکم** (تم سے مماثل) (Similar) کے الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ مماثلت (Similarity) کئی اعتبارات سے ہے' قرآن مجید نے اس کی نوعیت کو خاص نہیں کیا۔ گویا مختلف قسم کی مماثلتیں جو Mammalia میں اور انسانوں یا بعض دیگر جانوروں میں تلاش کی گئی ہیں۔ ان سے قرآنی حقیقت وصداقت آشکار ہو جاتی ہے مگر ان کی بنا پر جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے نہ درست ہے اور نہ سائنسدان اسے آج تک حتما ثابت کر سکے ہیں بلکہ انہیں خود اپنے نظریئے میں تسلسل قائم کرنے کے لئے درمیان کی بہت کڑیوں کے نہ ملنے کا کھلا اعتراف ہے جسے وہ "Missing Links" کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے دیگر اختلافی وجوہ کی بنا پر اس نظریئے کی اس قدر مختلف اور متناقض تعبیرات و تشریحات کی گئی ہیں اور دور جدید کی سائنس اب کسی متفقہ تعبیر یا نظریئے کی تلاش میں سرگرداں ہے جسے وہ "A Unified Theory" کا نام دے سکے۔

ہم یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سائنسی تحقیق کا جو پہلو قرآنی بیان کے مطابق ہو گا سائنس اس منزل پر پہنچنے میں آسانی سے کامیاب ہو جائے گی اور جو تحقیق سرے سے قرآنی بیان کی سمت کے ہی مخالف ہو گی اس میں ہمیشہ اسی طرح انتشار وافتراق اور ابہام والتباس قائم رہے گا اور کوئی حتمی اور متفقہ نتیجہ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔

ربوبیت خود ایک نظام بھی ہے اور آئینہ دار وحدت بھی

ہم دیکھتے ہیں کہ "**الحمد للہ رب العالمین**" میں حمد و تعریف کی حقیقت کو ذات باری سے مختص کر کے اس کی شان الوہیت کو نمایاں کیا گیا ہے اور رب العالمین کے ذریعے نظام ربوبیت کے بیان کو باری تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل بنایا گیا ہے۔ ربوبیت کا الوہیت کی دلیل ہونا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اگر نظام ربوبیت کے اندر ہر جگہ نظام وحدت کارفرما ہو۔ کائنات میں ربوبیت الٰہیہ کے نظام کو جس حوالے سے بھی دیکھا جائے' ہر جہت اور ہر پہلو سے صرف وحدت اور وحدانیت ہی کی شان اجاگر ہو۔ پس اس کے لئے دو شرائط کا پایا جانا لازم ہے۔

۱۔ ربوبیت کی کار فرمائی ایک باقاعدہ نظام کے طور پر ہو۔

۲۔ ہر جہت سے نظام ربوبیت فقط اصول وحدت پر دلالت کرے۔ اس کے نظام میں کہیں بھی تضاد اور تناقص نہ ہو۔

قرآن مجید دونوں اوصاف کی تصریح کرتا ہے۔

۱۔ ربوبیت ایک باقاعدہ نظام ہے

پہلے اصول کی صراحت قرآن مجید میں اس طرح ملتی ہے کہ بار بار یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور اس کے انفسی و آفاقی لوازمات میں سے جو کچھ بھی دیا ہے مقرر نظام اور مقداروں کے مطابق دیا ہے تاکہ یہ ساری نعمتیں اور بخشیں ایک نظام بن کر کائنات میں ظہور پذیر ہوں۔ بے نظمی اور بے ترتیبی کا تصور نہ ابھرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ○
(الحجر' ۱۵:۲۱)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس (بے حساب) خزانے نہ ہوں۔ مگر ہم (اسے بے ترتیبی اور بے نظمی سے نہیں اتارتے بلکہ) جو کچھ بھی (دنیا میں) اتارتے ہیں' مقررہ مقدار کے مطابق (نظم سے) اتارتے ہیں۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا۔

وَکُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ
(الرعد' ۱۳:۸)

اور اس کی بارگاہ (علم وعطا) میں ہر چیز کا ایک اندازہ (اور نظم) مقرر ہے۔

مزید فرمایا گیا:

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ○
(القمر' ۵۴:۴۹)

ہم نے (کائنات میں) جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں' سب ایک مقرر نظم اور اندازے کے ساتھ پیدا کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی ضروریات کی تکمیل ممکن ہی تب ہوتی ہے اگر اسے

مطلوبہ نعمتیں ایک نظم کے تحت ملیں۔ پانی انسانی زندگی کی اہم حاجات میں سے ہے۔ بلکہ اس پر تمام تر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر یہی نعمت بغیر نظم و قدر کے بارش کی صورت میں بے حساب دے دی جائے تو یہ بجائے آبادی کے بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ربوبیت یہ نہیں کہ انسان کو زمین پر فقط پانی مہیا کیا جائے بلکہ ربوبیت یہ ہے کہ اسے اس کی ضرورتوں کے مطابق فراہم کیا جائے۔ دھوپ اور روشنی انسان کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے سو، ربوبیت یہ نہیں کہ یہ دونوں نعمتیں بغیر کسی نظم اور اندازے کے مہیا کر دی جائیں۔ کیونکہ ان کی کثرت بھی مہلک ہو سکتی ہے اور قلت بھی، ربوبیت یہ ہے کہ انسان کو یہ ساری نعمتیں بقدر ضرورت عطا کی جائیں، یہ تصور قرآن مجید یوں واضح کرتا ہے۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا

(الزخرف، ۴۳:۱۱)

وہی ذات ہے جس نے آسمان سے پانی مقرر اندازہ و نظم کے ساتھ اتارا۔ پس ہم نے اس (نظم سے بارش برسائے) کے نتیجے میں مردہ زمین (شہر) کو زندگی عطا کر دی۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَ لٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ○ (الشوریٰ، ۴۲:۲۷)

لیکن وہ جو کچھ چاہتا ہے (اور مناسب سمجھتا ہے) مقرر نظم اور اندازے کے مطابق دنیا میں اتارتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کی حاجتوں اور ضرورتوں) سے پورے طور پر باخبر ہے (اور ان کے نفع و نقصان کے سارے معاملات کو) دیکھنے والا ہے۔

سورج کے نظام گردش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ○

اور سورج اپنے مدار میں گردش کرتا ہے، یہ غالب علم والے رب کا مقرر کردہ نظام ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ ؕ
(الاعراف‘ ۷: ۵۴)

اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم (سے قائم شدہ نظام) کے تابع ہیں۔

اسی طرح مزید ارشاد فرمایا گیا:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ○
(الانعام‘ ۶: ۹۶)

تاریکی چاک کر کے صبح نکالنے والا رب اور جس نے رات کو سکون کا باعث بنایا ہے اور اسی سے سورج اور چاند کی گردش کو باقاعدہ حساب کے لئے ایک نظم دیا ہے۔ یہ سب کچھ غالب علم والے رب کا مقرر کردہ نظام ہے۔

۲۔ نظام ربوبیت‘ اصول وحدت پر دلالت کرتا ہے

جس طرح ربوبیت‘ خود ایک نظام کی متقاضی تھی‘ سو اسی کے مطابق اسے کار فرما کیا گیا‘ اسی طرح نظام ربوبیت‘ ہر جگہ اور ہر سمت اصول وحدت کا متقاضی تھا سو اس کو بھی اسی کے مطابق کار فرما کیا گیا کیونکہ اس کے بغیر ربوبیت الٰہیہ توحید کی دلیل نہیں بن سکتی۔ قرآن مجید اس تصور کو یوں بیان کرتا ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا○
(الفرقان‘ ۲۵: ۲)

اور کائنات کی بادشاہی (اور سلطنت وملکیت) میں اس کا کوئی شریک نہیں اور (یہی وجہ ہے کہ) اس نے ہر شئے کو پیدا فرما کر اسے ایک مقررہ نظم اور اندازے سے قائم کر دیا ہے۔ (جس میں کوئی خلل یا تضاد دکھائی نہیں دیتا)

اس اصول کو ہم مخلوق کے مختلف طبقات میں یکساں طور پر کار فرما دیکھ سکتے ہیں۔ شجر و حجر ہو یا انسان و حیوان‘ ہر ایک کی زندگی میں پرورش اور نشوونما کے احوال ایک ہی بنیادی ضابطے کے ماتحت نظر آتے ہیں۔ ماں کی گود میں پرورش پانے والا انسان

کا بچہ ہو یا زمین پر رینگنے والی چیونٹی' ہوا میں اڑنے والا پرندہ ہو یا زمین پر چلنے والا کوئی جانور' پتھر کی چٹان ہو یا کسی باغ میں اگنے والا پھول کا پودا' ان کا بیشک آپس میں بظاہر کوئی ربط اور مشابہت نہ ہو' مگر ان کی پرورش اور نشوونما کے ضابطے ایک ہی اصول کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہر شئے کا ایک عہد طفولیت ہے' ایک دور شباب ہے' ہر ایک کا زمانہ ضعف و انحطاط ہے اور بالآخر سب کے لئے کوئی نہ کوئی خاتمہ' ہر دور میں تمام اشیاء کے احوال بدلتے رہتے ہیں تقاضے متغیر ہوتے ہیں۔ سامان نشوونما میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مگر ان سب کی سمت اور ضابطے بنیادی طور پر ایک ہی ہیں' کسی کے خاتمے کو مرجانا کہتے ہیں۔ کسی کو مرجھا جانا' کسی کو پامال ہونا' کسی کو ٹوٹ جانا' بات ایک ہی ہے مگر الفاظ مختلف ہیں۔ اب اس باب میں قرآن مجید کا بیان ملاحظہ ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ○ (الروم' ۳۰:۵۴)

یہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے تمہیں ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس ناتوانی کے بعد (تمہیں) قوت سے نوازا پھر اس قوت (کے زمانے) کے بعد تمہیں دوبارہ ناتوانی کی حالت دی اور بڑھاپے تک پہنچایا اور وہ جو (حالت) چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور علم اور قدرت والا (رب) ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فَسَلَکَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ○
(الزمر' ۳۹:۲۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی' پھر زمین میں پانی کے چشمے رواں ہو گئے پھر اس سے اس کے ذریعے رنگ برنگ کھیتیاں اگائیں (اور وہ لہلہانے لگیں) پھر انہوں نے مزید نشوونما پائی اور وہ پک کر تیار ہو گئیں پھر

(ترقی کے بعد ان پر ضعف اور انحطاط
آیا اور) تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا
گئی پھر انہیں خشک کر کے ریزہ ریزہ کر
دیا۔ بیشک اس (پورے نظام) میں
دانشمندوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

جمادات' نباتات' حیوانات اور عالم انس ہر جگہ زندگی کے آغاز و انجام اور عروج و زوال کے یکساں قوانین کا نافذ العمل ہونا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ان تمام موجودات کو تخلیق کرنے اور پالنے والی ذات ایک ہی ہے اور اس کی ربوبیت و پروردگاری میں ہر جگہ ایک ہی اصول کار فرما ہے۔ یہی نظام وحدت اس کی وحدانیت پر دلیل قاطع ہے۔

نظام ربوبیت اور قرآن کی دعوت فکر

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ بھی قرآن مجید کئی مقامات پر انسانی فطرت کے اندر ودیعت کردہ تجسس تعقل' تفکر اور تدبر کے داعیات کو مخاطب ہوا ہے۔ اس نے کائنات پست و بالا میں کار فرما نظام ربوبیت کے مختلف مظاہر کی نسبت سوچنے اور سمجھنے کی کھلی دعوت دی ہے۔ جابجا نظام ربوبیت کے مختلف پہلوؤں سے باری تعالیٰ کی ہستی' اس کی شان خلاقیت' اس کی صفات و افعال' اس کی قدرت و تصرف اور اس کی توحید پر استدلال قائم کیا گیا ہے۔ علوم قرآنی کا یہ پہلو دلائل توحید کے باب میں جس قدر اہم ہے آج اسی قدر متروک اور نظرانداز ہو چکا ہے۔

قرآنی استدلال کا نقطہ اولیٰ: یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور اور فہم و بصیرت سے اسی لئے نوازا ہے کہ وہ اس کی مدد سے حقیقت کی راہ معلوم کرے۔ مظاہر قدرت کو تعقل اور تفکر کی آنکھ سے دیکھے۔ ان کے اندر مخفی اسرار و رموز اور حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے اور یہ جانے کہ یہ سب کچھ کس کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس باب میں چند قرآنی دعوت کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ (یوسف' ۱۲:۱۰۵)

آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔

یہاں ان لوگوں کو جھنجوڑا جا رہا ہے جو زمین و آسمان کی وسعتوں پر محیط کائنات میں رہتے ہیں۔ ہر وقت اس کے عجائبات دیکھتے ہیں مگر ان سے باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ نگاہ بصیرت سے دیکھیں تو قدم قدم پر دعوت فکر ہے۔ اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○

(بنی اسرائیل' ۱۷:۳۶)

اور جس بات کی تم کو (صحیح) خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو۔ بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پوچھ گچھ ہو گی۔

کان' آنکھ اور دل ودماغ ہر کسی سے باز پرس کا معنی یہ ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ کانوں کو سماعت اس لئے دی تھی کہ وہ حق کی آواز سنیں' آنکھوں کو بصارت اس لئے دی تھی کہ وہ حق کا نظارہ کریں اور دل ودماغ کو فہم وتدبر اس لئے دیا تھا کہ وہ حقائق وواقعات میں غور وفکر کریں تاکہ انہیں سماعت' بصارت اور بصیرت کی تینوں راہوں سے ربوبیت الٰہیہ کی معرفت نصیب ہو۔

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ

(الذاریات' ۵۱:۲۰)

اور یوں تو یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں (بے شمار) نشانیاں ہیں۔

زمین کے اندر بھی اہل یقین کے لئے جگہ جگہ دعوت فکر ہے۔ یہی حال نفوس انسانی کا ہے۔

وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○

(الذاریات' ۵۱:۲۱)

اور (اے لوگو) خود تمہارے نفسوں میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔

یہاں اپنی زندگی کے آغاز وارتقاء' نفس انسانی کے احوال وکیفیات اور وجود

انسانی کے طبعی' حیاتیاتی انفسی' نفسیاتی' ذوقی' وجدانی اور شعوری ولاشعوری پہلوؤں میں ہزار ہا شہادتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی خلاقیت اور نظام ربوبیت پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ○
(العنکبوت' ۲۹: ۴۳)

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھتے ہیں (اپنے ہادی کو پہچانتے اور ایمان لاتے ہیں)

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ○
(العنکبوت' ۲۹: ۴۴)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ایک نظام کے مطابق بنایا (بے شک) اس میں ایمان لانے والوں کے لئے بڑی نشانی ہیں۔

ان آیات میں بھی قرآن فقط دعوت فکر دے رہا تاکہ تخلیق ارض وسماء اور دیگر امثال وافعال سے انسان رب کائنات کو پہچان سکے۔

نظام کائنات ربوبیت الٰہیہ پر دلیل ناطق ہے

مذکورہ بالا آیات میں تو فقط نظام کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت تھی۔ مگر قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر نظام کائنات کے کئی متنوع پہلو اور ان کے عملی گوشے بیان کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ ارضی وسماوی طبقات کے اندر جو نظامہائے عمل ایک خاص نظم کے ساتھ چل رہے ہیں ان کے ضوابط' اوقات' اثرات اور متعلقات جس حسن وخوبی کے ساتھ مقرر ہیں کیا یہ سب کچھ کسی باقاعدہ نظام ربوبیت کے بغیر ممکن ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ

اس نے (اپنی قدرت کاملہ) سے آسمان اور زمین کو صحت تدبیر اور) درستی کے ساتھ بنایا' وہ رات کو دن پر لپیٹتا اور دن

يَجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُO (الزمر ۳۹:۵)

کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے (سب اس کے حکم کے تابع اپنے اپنے کاموں پر لگے ہیں) سب ایک وقت معین تک (اسی طرح) چلتے رہیں گے۔ (پھر ان کی پرستش کرنا کہاں کی عقلندی ہے) یاد رکھو (لائق پرستش) وہی صاحب عزت' بخشنے والا ہے (اس کی پرستش کرو وہ زبردست بھی ہے اور بڑا بخشنے والا بھی)

یہی مضمون اور زیادہ موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے اہل علم و فہم کو یوں متوجہ کیا جا رہا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَO (یونس ۱۰:۵)

وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا (جگمگاتا) اور چاند کو منور (روشن) بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ اسی سے تم سالوں کی گنتی اور (مہینوں اور دنوں کا) حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ نے یہ سب تدبیر (مصلحت) ہی سے پیدا کیا ہے وہ اپنی نشانیاں' سمجھنے والوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

اِنَّ فِى اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَO

(یونس ۱۰ • ۶)

بے شک رات و دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے (سب میں) اللہ سے ڈرنے والوں (حق کے پرستاروں) کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

دوسرے مقام عالم انفس و آفاق میں دعوت فکر دیتے ہوئے قرآن مجید ان

حقیقتوں کو تخلیق بالحق کا آئینہ دار ٹھہرا رہا ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ مَاخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّھِمْ لَکٰفِرُوْنَ۔

(الروم '۳۰:۸)

کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان میں سب کو (اپنی مصلحت (اور حکمت) ہی سے ایک وقت معینہ کے لئے پیدا کیا ہے (یہ مقصد حیات معرفت الٰہی دیدار الٰہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ کاش یہ لوگ آخرت کی اہمیت کو سمجھتے) اور اکثر لوگ تو اپنے پروردگار سے (آخرت میں) ملنے ہی کے منکر ہیں (دیدار کی تمنا کیا کریں گے۔ اور کیا سمجھیں گے)

قرآن مجید ان سب نظامہائے آفاق کو بیان کر کے دراصل اہل فکرودانش سے یہ سوال کر رہا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجودات کی تخلیق کمال صحت و تدبیر سے ہو رہی ہو مگر کوئی خالق اور مدبر نہ ہو؟

رات اور دن ہمیشہ خاص نظم اور سلیقے سے چل رہے ہیں۔ سورج اور چاند خاص راستوں پر باقاعدگی سے چل رہے ہوں مگر انہیں سلیقہ اور نظم سے آشنا کرنے والا کوئی نہ ہو؟

سورج اور چاند اپنی اپنی اصلی اور انعکاسی روشنیوں کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹے مقرر منزلوں پر معین مدتوں کے لئے اس طرح گامزن رہیں کہ کبھی معمولی سا بھی فرق نہ آئے۔ مگر یہ سب کچھ کسی ارادے اور اذن کے بغیر اتفاقیہ عمل میں آگیا ہو؟

پھر قرآن خود ہی جواب دیتا ہے نہیں نہیں۔ یہ تخلیق حق ہے۔ ایک ارارے اور مقصد کے ساتھ ہے' ایک خالق کے اذن اور قدرت سے ہے اور ایک باقاعدہ نظام کے تابع ہے۔ اسی کا نام ربوبیت الٰہیہ ہے۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

آپ (ذرا ان مشرکین سے) پوچھیئے تم کو

أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○

(یونس' ۱۰:۳۱)

آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے (کہ جب چاہے تمہاری قوت سمع وبصر سلب کرلے اور چاہے تو کسی کو سمع حقیقی عطا فرما دے) اور کون جاندار سے نکالتا ہے اور (پھر) امور (کائنات) کی تدبیر کون کرتا ہے۔ پس (یقیناً) وہ بول اٹھیں گے کہ اللہ تو آپ ان سے کہئے کہ (پھر اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○

(یونس' ۱۰ : ۳۲)

پس یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ حق (بات کے ظاہر ہو جانے) کے بعد بجز گمراہی کے کیا رہ گیا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو (حق سے کیوں بھاگتے ہو حق سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے)

اس کے بعد اب انسان کو زمین و آسمان اور ان کے درمیان خلائی حقیقتوں کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ بحروبر کے احوال وحوادث سے پردہ اٹھایا جارہا ہے زندگی کے خاص لمحات اور ان کی مخصوص کیفیات کی یاد دلائی جارہی ہے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ

(النمل' ۲۷:۶۰)

(لوگو!) بھلا (دیکھو تو) کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا (ہم نے) پھر ہم نے اس کے ذریعے پر رونق باغ اگائے (ورنہ اس زمین اور بارش کے باوجود) تمہارا کام نہ تھا کہ تم اس سے درختوں کو اگاتے (اب سوچو) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ اے رسول ان کے پاس اس کا کچھ جواب نہیں) حقیقت

یہ ہے کہ یہ لوگ راہ (حق) سے اعراض کرتے ہیں (دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(النمل ۲۷:۶۱)

بھلا (بتاؤ تو) کس نے زمین کو (جائے) قرار (وقیام) بنایا اور (کس نے) اس کے درمیان میں نہریں بنائیں اور (کس نے) اس (زمین کو ٹھہرانے) کے لئے بھاری پہاڑ بنائے اور (کس نے) دو دریاؤں کے درمیان (ایک لطیف) حجاب بنایا (اب بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ (ان کے پاس اس کا بھی جواب نہیں۔ اے رسول) حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر (بات) سمجھتے ہی نہیں۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

(النمل ۲۷:۶۲)

ان سے پوچھئے بھلا مضطرب کی التجا کو جب وہ اسے پکارتا ہے کون سنتا ہے اور (کون اس کے) دکھ درد کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین پر گزشتہ امتوں کا جانشین بناتا ہے (پھر پوچھئے) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (تم کیا جواب دو گے) تم غور ہی بہت کم کرتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

بھلا کون تم کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ بتاتا ہے اور کون اپنی رحمت بارش سے قبل ہواؤں کو خوشخبری دے

يُشْرِكُوْنَO (النمل ۲۷:۶۳)

کر بھیجتا ہے کہ آنے والی رحمت کی نشانیاں قلب پر منکشف ہونے لگتی ہیں (اب بتاؤ) کیا ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کے شرک سے بہت بلند و برتر ہے۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (النمل ۲۷:۶۴)

بھلا کون ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا فرمائے گا اور کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے (یہ اللہ ہی کی ذات ہے) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) (پھر اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو اے رسول ان سے) فرما دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

یہ سب معروضی اور مشاہداتی دلائل و براہین انسان کو ایک ہی نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ اس کائنات داخلی و خارجی اور کائنات پست و بالا کا خالق و مالک اور مدبر و منظم ایک ہی ہے۔ جو قادر مطلق علیم و خبیر' عزیز و حکیم اور رحیم و کریم ہے۔ یہی مضمون ایک اور مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاO (نوح' ۷۱:۱۵)

(اے لوگو) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے ہیں۔

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاO

اور ان میں (تمہارے لئے) چاند کو چمکنے والا اور سورج کو (ایک روشن) چراغ بنایا (کہ ایک کا نور باعث تسکین اور دوسرے کی حرارت باعث حیات ہے)

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاO

اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے ایک

خاص طور پر پیدا کیا (پھر زمین ہی سے تمہاری نشوونما کی تم مٹی سے بنے ہو تمہاری غذا بھی زمین سے مہیا کی)

ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا○

پھر تم کو اسی (زمین) میں لے جائے گا اور (اسی سے) تم کو دوبارہ نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا○

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (یہی تمہاری جولانگاہ ہے)

لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا○

(نوح '۷۱:۱۵-۲۰)

تاکہ (زندگی کے ہر شعبہ اور ہر منزل میں) تم اس کی کشادہ راہیں اختیار کرو (وہ راہیں جو حقائق کو اجاگر کرنے والی اور دنیا اور آخرت میں فلاح کی ضامن ہیں)

اب روئے سخن انسانی زندگی کے معاشی پہلو کی طرف کیا جا رہا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ○

پس انسان کو چاہئے کہ اپنی غذا کی طرف غور کرے (کہ وہ کیونکر پید ہوتی ہے)

أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا○

بے شک ہم ہی نے خوب پانی برسایا۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا○

پھر ہم نے زمین کو جابجا پھاڑ دیا۔

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا○

پھر ہم نے اسی میں غلہ پیدا کیا۔

وَعِنَبًا وَقَضْبًا○

اور انگور اور ترکاریاں

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا○

اور زیتون اور کھجور

وَحَدَائِقَ غُلْبًا○

اور گنجان باغ

وَفَاكِهَةً وَأَبًّا○

اور میوے اور گھاس (کو بھی پیدا فرمایا)

مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ○

(عبس '۸۰:۲۴-۳۲)

(جو) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے کام آتے ہیں۔

اس طرح اب ارضیاتی حقائق' غذائی شہادات اور حیواناتی علامات کو موضوع سخن بنایا جارہا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

اور اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا بے شک اس میں سننے والوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

اور تمہارے لئے چوپاؤں میں بھی بڑا سبق ہے (وہ زندہ ہیں لیکن تمہارے فائدے کے لئے) ان کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم خالص دودھ (نکال کر) تم کو پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے (بچے ہوں یا بڑھے' نہایت) خوشگوار ہے (غذا کا بھی کام دیتا ہے)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور کھجور اور انگور کے میووں میں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) تم ان سے نشہ کی چیزیں بناتے ہو اور کھانے کی عمدہ غذائیں (تیار کرتے ہو' لیکن سوچو کہ ان کا خالق کون ہے ان کی تخلیق کا منشا کیا ہے) بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں القا کیا (یوں تعلیم دی) کہ پہاڑوں پر' درختوں پر اور ان اونچی

چونٹیوں پر (یا عمارتوں پر) جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا۔

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (النحل '١٦: ٦٥' ٦٩)

پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے پروردگار کے (تعلیم کئے ہوئے) صاف راستوں پر (جو تیرے لئے آسان ہیں) چلی چل۔ (دیکھو اس نے حکم مانا وحی پر عمل کیا' ارشاد بجالائی' تو اس سے کیا نکلا) اس کے بطن سے وہ پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں (لیکن فائدہ یکساں ہو آتش سیال نہیں جو عقل سلب کرتی ہے بلکہ وہ غذا) جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں (اللہ کی صفات میں) غور کرنے والوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے۔

اب قرآن مجید باری تعالٰی کی توحید مطلق' ربوبیت کاملہ اور قدرت واسعہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے انتہائی موثر نفسیاتی اسلوب اپنا رہا ہے اور انسانی زندگی کے مختلف گوشوں' ضرورتوں اور تقاضوں کو موضوع کلام بنا رہا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ○

بھلا دیکھو جس نطفہ کو تم ٹپکاتے ہو (اس سے انسان کون بناتا ہے)

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ○

کیا اس کو تم (انسان) بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ○

ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا ہے (جب جس کا وقت آتا ہے اور اٹھتا جاتا ہے) اور ہم (اب بھی) عاجز نہیں۔

عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

اس بات سے کہ (تم کو اس دنیا سے اٹھا لیں اور) تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسی حالت (صورت یا ایسے جہان) میں پیدا کریں جس کو تم نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ○

اور تم کو تو پہلی پیدائش کا علم ہے ہی (اس میں تو شک کی گنجائش نہیں) پھر تم کیوں نہیں سوچتے (آخرت پر یقین کیوں نہیں لاتے اللہ کو کیوں یاد نہیں کرتے)

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ○

بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو۔

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○

کیا تم اسے اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ○

اگر ہم چاہیں تو اس (تمہاری کھیتی) کو چورا چورا کر ڈالیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

یہی کہو کہ

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○

ہم تو تاوان میں پڑ گئے (قرض دار بھی ہوئے اور کچھ نہ ملا)

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○

بلکہ ہم تو محروم (اور بدنصیب) ہی رہے۔

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ○

بھلا (اس) پانی کو تو دیکھو جو تم پیتے ہو۔

ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○

کیا تم نے اس کو بادلوں سے اتارا ہے یا (اس کے) اتارنے والے ہم ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ○

اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں پھر تم شکر کیوں ادا نہیں کرتے۔

اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ○
بھلا آگ ہی کو دیکھو جس کو تم سلگاتے ہو۔

ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ○
کیا اس کا درخت (جس سے تم آگ نکالتے ہو) تم نے پیدا کیا یا (اس کے) پیدا کرنے والے ہم ہیں۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ
ہم ہی نے تو اس (درخت کو اپنی قدرت وحکمت کی) یاد دلانے والا اور مسافروں کے لئے نفع کی چیز بنایا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ○
(الواقعہ '۵۶:۵۸۔۷۴)
پس آپ اپنے پروردگار کے نام کی پاکی بیان فرمایئے جو بڑی عظمت والا ہے۔

اس تمام تر استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنے "رب عظیم" کو پہچان لے اور اس کی عظمت وربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔

الغرض کائنات ارض وسماء میں غور وفکر اور تعقل وتدبر کی تعلیم اس لئے دی گئی ہے کہ اگر انسان ان کی حقیقتوں سے آگاہی حاصل کرے گا تو وہ انہیں باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کے ایسے ایسے مظاہر دیکھے گا جس سے اس کے ایمان کو درجہ ایقان نصیب ہو گا اور حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ کے وعدہ کے مطابق اس پر حق آشکار ہو جائے گا اور وہ پکار اٹھے گا۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
(آل عمران '۳:۱۹۱)
اے ہمارے رب تیری تخلیق کردہ کوئی شئے بھی ایسی نہیں جو عبث اور باطل ہو اور تیری ہستی کی راہ نہ دکھاتی ہو۔

اس امر کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

وَ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا
اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں (جو تمہاری حفاظت کا کام کرتی ہیں)

دوسرے مقام پر قرآن مجید نے ان الفاظ میں مزید تصریح فرمائی:

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا (حٰم السجدہ ۴۱:۱۲)

(اور ہم نے سب سے نچلے سماوی طبقے کو چراغوں (روشنیوں) سے آراستہ کیا اور اس میں تمہاری حفاظت کا اہتمام کیا)۔

اس سماوی طبقے میں انسانوں کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان چنی گئی مضبوط چنائیوں کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن ان میں غور خوض کی تعلیم دیتا ہے۔

جدید دور کی سائنس نے **سبعا شداد** اور **حفظا** کی ایک تعبیر جو ہمارے سامنے پیش کی ہے اس سے ربوبیت الٰہیہ اور اس کی عظمتوں کے کئی حیرت انگیز پہلو آشکار ہوتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق کی رو سے زمینی فضا (Atmosphere) جو دو ہزار (۲۰۰۰) میل تک پھیلی ہوئی ہے چند طبقوں پر مشتمل ہے جنہیں Atmosphereic Layers کہتے ہیں۔ اب تک معلوم ہونے والے طبقات کی ترتیب درج ذیل ہے۔

1- Tropho sphere 2- Strato sphere 3- Meso sphere

4- Thermo sphere 5- Exo sphere

یہ سب طبقات نظام شمسی کے اندر آتے ہیں۔ یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ سورج سے دو طرح کی شعاعیں (Sun rays) زمین کی طرف آتی ہیں۔

i- High Energy Radiations (X-rays and ultra violent Rays)

ii- Low Energy Radiations (Heat and Light Rays)

مذکورہ بالا ریز (Rays) میں سے پہلی قسم High Energy Radiations انسانی زندگی کے لئے نقصان دہ اور مہلک ہے۔ اسی طرح نظام شمسی سے بھی اوپر کی فضا سے "Cosmic Rays" آتی ہیں یہ بھی انسانی زندگی کے لئے خطرناک ہیں۔

ایسی تمام نقصان دہ اور مہلک ریز جب مذکورہ بالا طبقات

(Atmospheric Layers) میں سے گزرتی ہیں تو وہ طبقات ان ریز (Rays) کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ گویا فلٹر (Filter) کا کام کرتے ہیں۔ اس طرح انسانی زندگی کے لئے فقط مفید اور بے ضرر (Rays) زمین تک پہنچتی ہیں۔ نقصان دہ ریز سے انسانوں کو ان Lagers کے ذریعے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ طبقات شداد اور حفظا کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ باری تعالیٰ کے نظام ربوبیت کی حکمت وعظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اشاریہ

فهرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحه نمبر

القرآن

نمبرشمار	آیت	حوالہ	صفحہ نمبر
	البقرة : ۲		
۱	وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً	۲:۲۲	۹۹
۲	فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	۲: ۲۱۳	۵۹
۳	قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ	۲: ۲۵٦	۵۷
٤	فَانظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ ...	۲: ۲۵۹	۲۲
	آل عمران : ۳		
۵	اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	۳ : ۱۹۰	۵۷
٦	وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	۳: ۱۹۱	۸٤، ۱۳۰
	النسآء : ٤		
۷	يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ	٤: ۱	۳۲، ۳۵، ۹۰
	الانعام : ٦		
۸	هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ	٦: ۲	۱۹
۹	وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ ...	٦: ۳۸	۱۱۲، ۱۱/
۱۰	فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ ...	٦: ۹۷	۱۱٦
۱۱	وَهُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ	٦: ۹۹	۳۲، ٤۹
	الاعراف : ۷		
۱۲	اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	۷: ۵٤	۱۵
۱۳	وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ	۷: ۵٤	۱۰۱، ۱۱٦

نمبرشمار	آیت	حواله	صفحه نمبر
١٤	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی هَدٰانَا لِهٰذَا	٧: ٤٣	٦٠
	التوبة : ٩		
١٥	یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِی نَارِ جَهَنَّمَ	٩ : ٣٥	٢٢
	یونس : ١٠		
١٦	اِنَّ رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ...	١٠: ٣	٧٧
١٧	ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	١٠: ٣	٧٨
١٨	هُوَ الَّذِی جَعَلَ الشَّمْسَ ...	١٠: ٥	١٢١
١٩	اِنَّ فِی اِخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ	١٠: ٦	١٢١
٢٠	اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ	١٠: ٩	٥٨
٢١	قُلْ مَن یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	١٠: ٣١	
٢٢	فَذَالِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ	١٠: ٣٢	١٢٣
	هود : ١١		
٢٣	وَهُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	١١: ٧	١٠٠، ١٠٣
	یوسف : ١٢		
٢٤	وَکَاَیِّنْ مِنْ آیَةٍ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ..	١٢ : ١٠٥	١١٩
	الرعد : ١٣		
٢٥	وَکُلُّ شَیْیءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ	١٣: ٨	١١٤
	ابراهیم : ١٤		
٢٦	یَوْمَ تَبَدَّلُ الْاَرْضُ غیرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ	١٤: ٤٨	٩٥

نمبر شمار	آیت	حوالہ	صفحہ نمبر
	الحجر : ۱۵		
۲۷	وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	۱۵:	۲۱
۲۸	وَاِنْ مِّنْ شَیءٍ اِلاَّ عِنْدَنَا خَزَائِنَهٗ	۱۵: ۲۱	۱۱۴
۲۹	صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ	۱۵: ۲۶	۲۰، ۲۲
۳۰	وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاہ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ----	۱۵: ۲۷	۲۴
۳۱	فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ------	۱۵: ۲۹	۲۶
	النحل : ۱۶		
۳۲	وَيَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ	۱۶ : ۸	
۳۳	وَا للهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	۱۶ : ۶۵	۱۲۷
۳۴	وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً	۱۶ : ۶۶	۱۲۷
۳۵	وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ	۱۶ : ۶۷	۱۲۷
۳۶	وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ...	۱۶ : ۶۸	۱۲۷
۳۷	ثُمَّ كُلِی مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِی	۱۶ : ۶۹	۱۲۷
	بنی اسرائیل : ۱۷		
۳۸	اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِی لِلَّتِی هِیَ اَقْوَمُ	۱۷: ۹	۶۰
۳۹	وَلاَ تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ	۱۷: ۳۶	۱۱۹
۴۰	اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ	۱۷: ۳۶	۵۶
۴۱	وَمَا اُوْتِيْتُ مِنَ الْعِلْمِ	۱۷: ۸۵	۷۰
	کہف : ۱۸		
۴۲	وَاٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ	۱۸: ۶۵	۵۷

نمبر شمار	آیت	حوالہ	صفحہ نمبر
	طه : ٢٠		
٤٣	رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ	٢٠ : ٥٠	٥٥
	الانبياء : ٢١		
٤٤	اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ	٢١: ٣٠	٨٤
٤٥	وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ	٢١: ٣٠	١٩
٤٦	اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ	٢١: ٣٠	١٠٥
٤٧	كُلٌّ فِی فَلَكٍ یَسْبَحُوْنَ	٢١: ٣٣	١٠١
	الحج : ٢٢		
٤٨	وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰی ...	٢٢: ٥	٣٧
	المؤمنون : ٢٣		
٤٩	ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً ...	٢٣: ١٣	٣٧
٥٠	ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ...	٢٣: ١٤	٣٧
	الفرقان : ٢٥		
٥١	وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ ...	٢٥: ٢	١١٦
٥٢	وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ...	٢٥: ٢	٤٧
٥٣	وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ	٢٥: ٥٤	١٩
٥٤	وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا	٢٥ : ٥٤	١٩
	الشعراء : ٢٦		
٥٥	اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ	٢٦: ٢١٢	٥٦

نمبر شمار	آیت	حواله	صفحه نمبر
۷۱	ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ	۳۲ : ۹	۳۹
۷۲	وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ ...	۳۲ : ۲۴	۵۷
	فاطر : ۳۵		
۷۳	يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءَ ...	۳۵: ۱	۸۶
	يس : ۳۶		
۷۴	وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا	۳۶: ۳۸	۱۱۵
۷۵	اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْءً اَنْ ...	۳۶: ۸۲	۱۶
۷۶	اِذَا اَرَادَ شَيْءً اَنْ يَّقُوْلَ لَهُ ...	۳۶: ۸۲	۱۰۸
	صافات : ۳۷		
۷۷	اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِيْنٍ	۳۷ : ۱۱	۲۰
	الزمر : ۳۹		
۷۸	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...	۳۹: ۵	۱۲۰
۷۹	خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ	۳۹: ۶	۳۶
۸۰	يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ	۳۹: ۶	۴۱
۸۱	اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ...	۳۹: ۲۱	۱۱۷
۸۲	وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهِ	۳۹: ۶۷	۹۶
	المومن : ۴۰		
۸۳	وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ ...	۴۰: ۶۶	۱۸
۸۴	هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ ...	۴۰ : ۶۷	۱۸

نمبر شمار	آیت	حوالہ	صفحہ نمبر
	القمر : ٥٤		
٩٨	اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ	٥٤: ٤٩	١١٤
	الرحمٰن : ٥٥		
٩٩	خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	٥٥: ١٤	٢٣ – ٢٤
١٠٠	وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ	٥٥: ١٥	
١٠١	يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ	٥٥: ٣٣	١٠٢
	الواقعة : ٥٦		
١٠٢	اَفَرَئَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ ...	٥٦: ٥٦تا٧٤	١٢٩
	الحديد : ٥٧		
١٠٣	سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	٥٧: ١تا٥	٧٧
	التغابن : ٦٤		
١٠٤	وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ	٦٤: ١١	٥٨
	الطلاق : ٦٥		
١٠٥	اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	٦٥ : ١٢	٧٩
	الملك : ٦٧		
١٠٦	اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ...	٦٧ : ٣	١٠١
١٠٧	وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ...	٦٧: ٢٣	٥٦
	المعارج : ٧٠		
١٠٨	تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ	٧٠ : ٤	٨١

نمبر شمار	آیت	حواله	صفحه نمبر
	نوح : ۷۱		
۱۰۹	اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللهُ ...	۸۱: ۱۵-۲۰	۱۲۵
	القيامة : ۷۵		
۱۱۰	اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً ...	۷۵: ۳۷	۳۳
	الدهر : ۷٦		
۱۱۱	اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ ...	۷٦ : ۲	۳۲، ۳۵، ٤۰
۱۱۲	اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ ...	۷٦ : ۳	۵۸
	المرسلات : ۷۷		
۱۱۳	اَلَمْ نَخْلُقكُمْ مِّنْ مَّاءٍ ...	۷۷: ۲۰-۲۳	٤۹
۱۱٤	فَاِذَا النَّجُوْمُ ...	۷۷: ۸ -۱۰	۹٤
	النباء : ۷۸		
۱۱۵	وبَنَيْنَا فَوْقكُمْ سَبْعا شِدَادا	۷۸: ۱۲	۱۳۰
۱۱٦	لَايَذُوقُوْنَ فِيْهَا برْدا وَلَاشَرَابا	۷۸: ۲٤- ۲۵	۲۲
	عبس : ۸۰		
۱۱۷	مِنْ اَیِّ شَيءٍ خَلَقَهُ ...	۸۰: ۱۸- ۲۲	٤۷
۱۱۸	فلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلَى طَعَامِهِ ...	۸۰: ۲٤ -۳۲	۱۲٦
	التكوير : ۸۱		
۱۱۹	اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ...	۸۱: ۱	۹٤
۱۲۰	وإِذَا النَّجومُ انْكَدَرَتْ ...	۸۱: ۲	

نمبر شمار	آیت	حوالہ	صفحہ نمبر
	انفطار : ۸۲		
۱۲۱	اذا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ...	۸۲: ۱	۹۳
۱۲۲	وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ...	۸۲: ۲	۹۳
۱۲۳	يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ	۸۲: ۶–۸	۵۱
	انشقاق : ۸۴		
۱۲۴	إذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ...	۸۴: ۱	۹۳
۱۲۵	وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ....	۸۴: ۲	
	الطارق : ۸۶		
۱۲۶	فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ ...	۸۶: ۵	۳۳
	اعلى : ۸۷		
۱۲۷	سَبِّحِ اِسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى	۸۷: ۱–۳	۴۸
	الغاشية : ۸۸		
۱۲۸	تَصْلَى نَارًا حَامِيَه ...	۸۸: ۴	۲۲
	الفجر : ۸۹		
۱۲۹	كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا	۸۹: ۲۱	۹۳
	علق : ۹۶		
۱۳۰	اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَق	۹۶: ۱–۲	۳۷

احادیث و آثار

اقوال

نمبرشمار	اقوال	صاحب قول	صفحه نمبر
۱	انه کان لاظل لشخصیة فی الشمس ولا قمر لانه کان نورا	قاضی عیاض	۲۷
۲	ان لذباب کان لایقع	قاضی عیاض	۲۸
۳	وراء العقل طور اخر تنفح فیه	امام غزالی	۲۹
٤	فی ستة ایام ... ای فی ستة ...	ابو مسعود	۸۲
٥	الیوم یعبر به عن وقت طلوع الشمس	امام راغب	۸۲
٦	ولایمکن ان یراد بالیوم الیوم	علامه آلوسی	۸۲

اعلام

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مترجم / متوفی	مطبع / سن طباعت
۱	القرآن الکریم	منزل من اللہ	
۲	عرفان القرآن	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز ۱۹۹۶ء
۳	فیوض القرآن	ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی	فیروز سنز لاہور ۱۹۸۹ء
۴	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ	اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۵	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری، ۲۶۱ھ	اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۶	سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، ۲۷۵ھ	مطبع مجتبائی لاہور، ۱۴۰۵ھ
۸	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہ، ۲۷۳ھ	نور محمد کارخانہ کراچی
۹	مشکوۃ المصابیح	شیخ ولی الدین تبریزی، ۷۴۲ھ	اصح المطابع دہلی
۱۰	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل، ۲۴۱ھ	مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۱	سنن دار قطنی	امام علی بن عمر دار قطنی، ۲۸۵ھ	نشر السنہ ملتان
۱۲	مستدرک حاکم	امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم، ۴۰۵ھ	دار الباز للنشر والتوضیح مکہ مکرمہ
۱۳	سنن دار قطنی	امام علی بن عمر دار قطنی، ۲۸۵ھ	نشر السنہ ملتان
۱۴	تفسیر روح المعانی	شہاب الدین محمد آلوسی، ۱۲۷۰ھ	دار الاحیاء التراث العربی، بیروت
۱۵	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ۱۲۲۵ھ	بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶	تفسیر ابن کثیر	حافظ عبد الفداء عماد الدین ابن کثیر، ۷۷۴ھ	ادارۃ اندلس بیروت، ۱۳۸۵
۱۷	تفسیر نسفی	عبداللہ بن العمر بن محمود النسفی	
۱۸	طبرانی	حافظ ابو القاسم سلمان بن احمد ایوب طبرانی، ۳۶۰ھ	مطبوعہ العراق
۱۹	دلائل النبوۃ	امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، ۴۳۰ھ	دار النفائس
۲۰	الاصابہ	حافظ شہاب الدین عسقلانی، ۸۵۲ھ	دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۱	المواہب اللدنیہ	علامہ احمد عسقلانی، ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۲	زرقانی علی المواہب	علامہ احمد قسطلانی، ۹۱۱ھ	دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۳۹۳ھ
۲۳	سیرت حلبیہ	شیخ علی بن برہان الدین حلبی، ۱۰۴۴ھ	مکتبہ اسلامیہ بیروت ۱۳۴۸ھ
۲۴	الحدیقہ الندیہ	عبد الغنی نابلسی، ۱۱۴۳ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۹۷۷
۲۵	نشر الطیب	مولانا اشرف علی تھانوی، ۱۳۲۶ھ	مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۳۸۹
۲۶	مصنف عبد الرزاق	امام عبد الرزاق بن ہمام، ۲۱۱ھ	مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸
۲۷	بہجۃ النفوس	شیخ عبداللہ بن الجاجرہ	

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مترجم / متوفی	مطبع / سن طباعت
۲۸	ثناء المردو	امام ابن سبع	
۲۹	مواھب اللدنیہ	علامہ احمد قسطلانی، ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۳۰	مکتوبات امام ربانی	حضرت مجدد الف ثانی، ۱۰۳۴ھ	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰ء
۳۱	المنقذ من الضلال	علامہ محمد بن محمد غزالی، ۵۰۵ھ	مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵
۳۲	المفردات	علامہ حسن بن محمد راغب اصفہانی، ۵۰۲ھ	مکتبہ مرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکۃ الآراء تصانیف (اگست 99ء تک)

A- قرآنیات

01) عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-19,30)

02) عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-15 جلد)

03) تفسیر منہاج القرآن (سورہ بقرہ)

04) حکمت استعاذہ

05) تسمیۃ القرآن

06) معارف الکوثر

07) فلسفہ تسمیہ

08) معارف اسم اللہ

09) مناہج العرفان فی لفظ القرآن

10) رب العالمین (لفظ رب کے معانی و معارف)

11) صفت رحمت کا شان امتیاز

12) سمائے سورہ فاتحہ

13) سورہ فاتحہ اور تصور ہدایت

14) اسلوب سورہ فاتحہ اور نظام فکر و عمل

15) سورہ فاتحہ اور تعلیمات طریقت

16) سورہ فاتحہ اور انسانی زندگی کا اعتقادی پہلو

17) شان اولیت اور سورہ فاتحہ

18) سورہ فاتحہ اور حیات انسانی کا عملی پہلو (تصور عبادت)

19) سورہ فاتحہ اور تعمیر شخصیت

20) فطرت کا قرآنی تصور

21) لا اکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ

22) کنزالایمان کی فنی حیثیت

B- ایمانیات

23) ارکان ایمان

24) ایمان اور اسلام

25) شہادت توحید

26) حقیقت توحید و رسالت

27) ایمان بالرسالت

28) ایمان بالکتب

29) ایمان بالقدر

30) ایمان بالآخرت

31) مومن کون ہے؟

32) مناظرہ ڈنمارک

C- الہیات

33) اطاعت الٰہی

34) ذکر الٰہی

35) محبت الٰہی

36) خشیت الٰہی اور اس کے تقاضے

D- اعتقادیات

37) ایصال ثواب اور اس کی شرعی حیثیت

38) عقیدہ توحید اور حقیقت شرک

39) تصور بدعت اور اس کی شرعی حیثیت

40) عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت

41) عقیدہ ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

42) مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ

43) مرزائے قادیان کی دماغی کیفیت

44) عقیدہ ختم نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف

45) خوابوں اور بشارات پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

46) فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

47) منافقت اور اس کی علامات

48) سلفیت کیا ہے؟

49) منہاج العقائد

50) تصور استعانت

E۔ سیرت النبوی ﷺ

51) مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ (جلد اول)

52) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دوم)

53) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد سوم)

54) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد چہارم)

55) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد پنجم)

56) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ششم)

57) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)

58) سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)

59) سیرت نبوی ﷺ کا علمی فیضان

60) سیرت نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت

61) سیرت نبوی ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت

62) قرآن اور سیرت نبوی ﷺ کا نظریاتی و انقلابی فلسفہ

63) نور محمدی خلقت سے ولادت تک (میلاد نامہ)

64) تاریخ مولد النبی ﷺ

65) جشن عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

66) جشن عید میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدثین کے اقوال کی روشنی میں

67) حیاۃ النبی ﷺ

68) فلسفہ معراج النبی ﷺ

69) قرآن اور شمائل نبوی ﷺ

70) الاربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ

71) معارف اسم محمد ﷺ

72) معارف الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

73) تحفۃ السرور فی تفسیر آیہ نور

74) نور الابصار بذکر النبی المختار ﷺ

75) تذکار رسالت

76) ذکر مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)

77) فضیلت درود و سلام

78) ایمان کا مرکز و محور (ذات مصطفیٰ ﷺ)

79) عشق رسول ﷺ وقت کی اہم ضرورت

80) عشق رسول ﷺ استحکام ایمان کا واحد ذریعہ

81) غلامی رسول حقیقی تقویٰ کی اساس

82) تحفظ ناموس رسالت

F- عبادات

83) ارکان اسلام

84) فلسفہ نماز

85) آداب نماز

86) نماز اور فلسفہ اجتماعیت

87) نماز کا فلسفہ معراج

88) فلسفہ صو

89) فلسفہ و احکام حج

G- روحانیات

90) حقیقت تصوف (جلد اول)
91) اسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)
92) اسلامی تربیتی نصاب (جلد دوم)
93) سلوک و تصوف کا عملی دستور
94) اخلاق الانبیاء
95) تذکرے اور صحبتیں
96) حسن اعمال
97) حسن احوال
98) حسن اخلاق
99) صفائے قلب و باطن
100) فساد قلب اور اس کا علاج
101) زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے
102) ہر شخص اپنے نشہ عمل میں گرفتار ہے
103) ہم اپنا اصلی وطن بھول چکے ہیں
104) تربیت کا قرآنی منہاج
105) جرم توبہ اور اصلاح احوال
106) طبقات العباد
107) حقیقت اعتکاف

H- فقہیات

108) منہاج المسائل
19) نص اور تعبیر نص
110) تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب
111) اجتہاد اور اس کا دائرہ کار
112) عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد
113) تاریخ فقہ میں ہدایہ اور صاحب ہدایہ کا مقام

I- تعلیمات

114) اسلام کا تصور علم
115) علم توجیہی یا تخلیقی
116) دینی اور لادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو
117) تعلیمی مسائل پر انٹرویو

J۔ اقتصادیات

118) معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل
119) بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ
120) بلاسود بنکاری اور اسلامی معیشت
121) بجلی مہنگی کیوں؟ IPPS کا معاملہ کیا ہے؟

K- جہادیات

122) حقیقت جہاد
123) جہاد بالمال
124) فلسفہ شہادت امام حسین علیہ السلام
125) شہادت امام حسینؓ (حقائق و واقعات)
126) شہادت امام حسینؓ ایک پیغام

L- فکریات

127) قرآنی فلسفہ انقلاب
128) منہاج الافکار (جلد اول)
129) منہاج الافکار (جلد دوم)
130) منہاج الافکار (جلد سوم)
131) اسلامی فلسفہ زندگی
132) ہمارا دینی زوال اور اسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج

M- انقلابیات

N- سیاسیات

O- قانونیات

P- شخصیات

Q- سائنس (اردو)

176) نسان اور کائنات کی تخلیق وارتقاء

177) امراض قلب سے بچاؤ کی تدابیر

178) شان اولیاء قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں

R- عربی کتب

179) معهد منهاج القرآن

180) التصور الاسلامی لطبیعة البشریه

181) نهج التربیة الاجتماعیة فی القرآن

182) التصور التشریعی للحکم الاسلامی

183) فلسفة الاجتهاد والعالم المعاصر

184) الجریمة فی الفقه الاسلامی

185) منهاج الخطبات للعیدین و الجمعات

186) قواعد الاقتصاد فی الاسلام

1 8 7) الاقتصاد الاربوی والنظام المصر فی الاسلامی

S- انگلش کتب

188) Islamic Philosophy of Human Life

189) Islam in Various Perspectives

190) Islam and Christianity

191) Islam and Criminality

192) Qur'anic Concept of Human Guidance

193) Islamic Concept of Human Nature

194) Devine Pleasure

195) Quranic Philosophy of Benevolence (Ehsan)

196) Islam and Freedom of Human Will

197) Islamic Penal System and Philosophy

198) Islamic Concept of Law

199) Philosophy of Ijtihad and the Modern World

200) Quranic Basis of Constitutional Theory

201) Islam the State Religion

202) Legal Character of Islamic Punishments

203) Legal Structure of Islamic Punishments

204) Classification of Islamic Punishments

205) Islamic Philosophy of Punishments

206) Islamic Concept of Crime

207) Quran on Creation and Expension of the Universe

208) Creation and Evolution of the Universe

209) Creation of Man

210) Islam on prevention of Heart Diseases

مفکرِ اسلام مفسّرِ قرآن

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

کی معرکتہ الآراء تصانیف جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی تمام تر علمی و فکری وجاہت کی مظہر ہیں اور ذہن جدید میں تیقن کے چراغ روشن کر رہی ہیں۔

قرآنیات' سیرت و فضائل' ایمانیات' اعتقادیات' الٰہیات' روحانیات' اخلاقیات' عبادات' تعلیمات' اقتصادیات' جہادیات' فکریات' انقلابیات' سیاسیات' قانونیات' شخصیات' سائنسی اور عصری موضوعات پر مشتمل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا درد رکھنے والے ہر صاحب ایمان کے گھر' ہر تعلیمی ادارے اور ہر کتب خانے کی ضرورت ہیں۔

نوٹ: فہرست اندر کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)

ملنے کا پتہ :-

365-ایم ماڈل ٹاؤن لاہور 3-5169111-5168514

6-B المالک پلازہ عقب جہانگیر پارک داؤد پوتا روڈ کراچی۔7214439

البلال پلازہ چاندنی چوک مری روڈ راولپنڈی۔455348

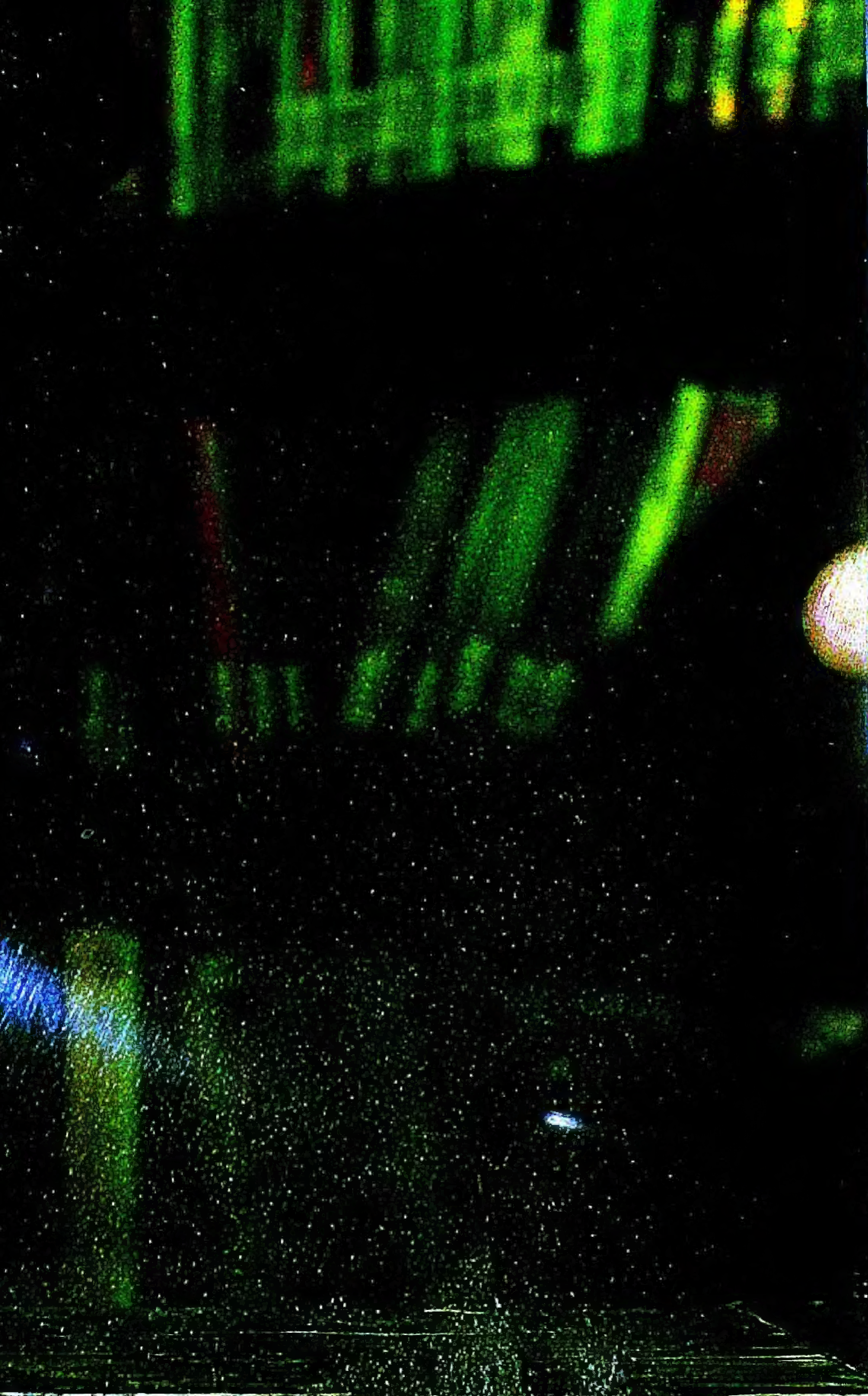
سیل سینٹر اقبال روڈ اقبال مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی 530691

B-27 فرخ پلازہ المرکز G-9 کراچی کمپنی اسلام آباد۔ 252571

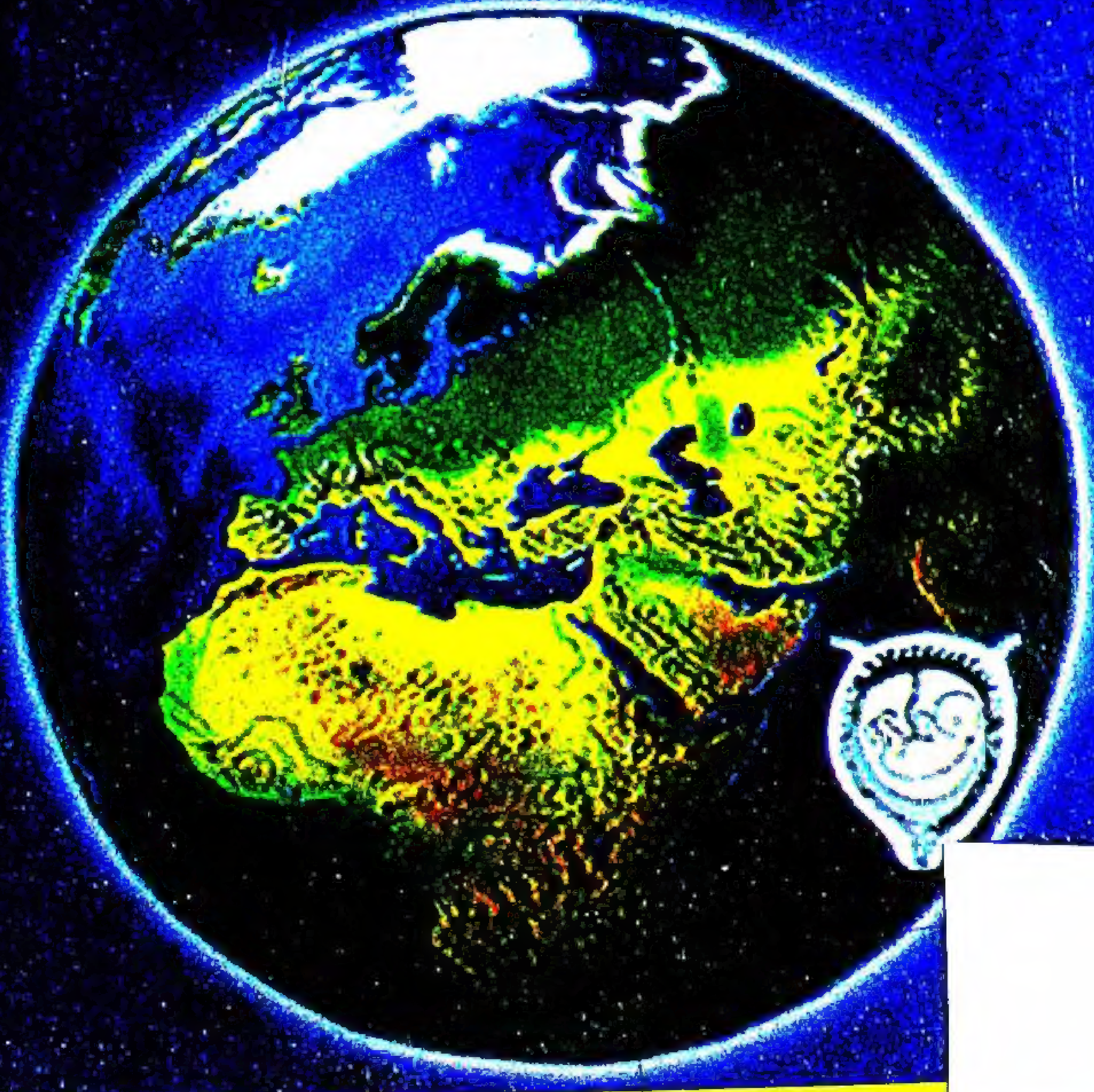
ذکریا چیمبرز۔ صدر روڈ پشاور کینٹ

سیکرٹری تھری فاضل چوک میر آزاد کشمیر

احمد بلڈنگ علمدار...



انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء



پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری